جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدّثِ عصر

بانی

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر

سید احمد خضر شاہ مسعودی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: محدثِ عصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

اگست ۲۰۲۵	جلد ۲۳	شمارہ:۱	سلسلہ نمبر ۱۹۸

بانی: فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر: سید احمد خضر شاہ مسعودی

نائب مدیر
مولانا سید فضیل احمد ناصری
08881347125

اشتراک وتعاون
اندرونِ ملک:
فی شمارہ -/30 سالانہ -/360
خصوصی -/1000
تاحیات -/6000
بیرونِ ملک:
سالانہ:20امریکی ڈالر
خصوصی:100امریکی ڈالر
تاحیات:500امریکی ڈالر

نگراں ترسیل
مولانا ابوطلحہ اعظمی
09997504588

شائع کردہ: جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند247554(یوپی)

فون آفس:01336-220471 فون وفیکس (مدیر) 01336-222471-223371

موبائل (مدیر): 08006075484 ای۔میل: ahmadanzarshah@gmail.com

ورق در ورق

صریر خامہ

قرطاس و قلم

صریرِ خامہ

عصریات

سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

21/ جولائی سے پارلیمنٹ کا مانسون اجلاس ہوا، جو 21/ اگست تک جاری رہے گا۔ آپریشن سندور اور دیگر موضوعات پر گرما گرم بحث ہوئی۔ حکومت اور حزب اختلاف تیز وتند جملوں سے باہم دیگر حملہ آور تھے۔ دونوں میں جس طرح نوک جھونک ہوئی، تیکھے تبصرے ہوئے، اس کے تذکرے ہر طرف ہیں۔ حکومت کہہ رہی تھی کہ ہم نے پاکستان کو سبق سکھادیا اور 22/ اپریل کا بدلہ صرف 22/ منٹ میں لے لیا۔ وہ تینوں دہشت گرد بھی ہم نے ڈھیر کر دیے، جنہوں نے 22/ اپریل کو پہلگام میں 26 سیاحوں کو موت کی نیند سلا دیا تھا۔ ارباب اقتدار کے بلند بانگ دعووں کا سلسلہ دراز رہا۔ حکومت نے ہندو پاک جنگ پر بھی کافی کچھ روشنی ڈالی، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم نے پاکستان کو گھر میں گھس کر مارا اور چند منٹوں میں ہی ہمسائے کی وہ حالت کر دی کہ وہ گڑگڑانے لگا اور ہم سے پناہ مانگنے لگا۔ وزیر داخلہ نے کہا کہ پاکستان کے پاس ہمارے قدموں کی چھاؤں میں آنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اِدھر لاف وگزاف تھی اُدھر اقتدار کے خیمے میں واضح شگاف۔ کانگریس نے مودی حکومت پر سوالات کی ایسی یلغار کر دی کہ مسند نشینوں کی عقلیں ٹھکانے لگ گئیں۔ سوال یہی تھا کہ جب پاکستان نیم مردہ ہو چکا تھا تو آپ نے پناہ کیوں دی؟ یہ کون سی دانش مندی ہے کہ وہ آپ کو آ کر مار جائیں اور آپ انہیں پناہ دے دیں! اس کا جواب چاہیے۔ یہ سوال بھی شدومد کے ساتھ اٹھایا گیا کہ جنگ روکی کیوں گئی؟ یہ تو بدلہ لینے کا انتہائی سنہرا موقع تھا۔ ایسے مواقع بار بار نہیں آتے۔ یہ اور اس جیسے سوالات کانگریس نے اتنے طاقتور سر میں کیے کہ بھگوا پارٹی کے پاس جائے رفتن، نہ پائے ماندن۔ حکمراں طبقہ کے دانتوں تلے پسینہ آ گیا۔ خصوصاً کانگریس آئی کی جنرل سکریٹری پرینکا گاندھی کے جملوں میں وہ دھار اور کاٹ تھی کہ فتح کی بے سُری بانسری بجانے والے لاجواب رہ گئے۔ اندرا گاندھی کی پوتی نے کہا کہ اگر آپ نے پاکستان کو سبق سکھایا ہے اور وہ آپ کے قدموں میں جھکنے پر مجبور تھا تو اسے معاف کیوں کر دیا اور اس کا بدلہ قاعدے سے کیوں نہیں لیا؟ ملکی تاریخ میں ایسا پہلی بار ہوا

کہ جنگ ہوتے ہوتے اچانک رک گئی اور سیز فائر کا اعلان ہماری فوج نے نہیں، امریکی صدر نے کیا۔ یہ ہمارے وزیر اعظم کی غیر ذمہ داری کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ گاندھی نے یہ بھی کہا کہ آپ کریڈٹ لینے کا شوق رکھتے ہیں، ضرور رکھیں، لیکن ذمہ داری بھی لینا سیکھیں! آپریشن سندور کا فیصلہ ہوا تو بیک زبان ہم نے آپ کا ساتھ دیا۔ ملک کا معاملہ جب بھی آئے گا تو کانگریس آپ کے ساتھ رہے گی۔ تمام پارٹیاں آپ کی ہمنوائی کریں گی، لیکن فوج کی کارکردگی کا سہرا ہمارے وزیر اعظم اپنے سر باندھنا چاہ رہے ہیں، باندھیں، مگر فرض منصبی کا کچھ مظاہرہ بھی کریں! قیادت صرف کریڈٹ لینے سے نہیں ہوتی، ذمے داری بھی لینی پڑتی ہے۔ کامیابی اور ناکامی دونوں کو گلے لگانا پڑتا ہے۔ قیادت پھولوں کی سیج نہیں، کانٹوں کا تاج ہے۔ جب قائد جھوٹا اور مکار ہو تو بہادر سے بہادر فوج بھی کمزور ہو جاتی ہے۔ فوج کی طاقت کے ساتھ حکومت کی سچائی بھی مطلوب ہوتی ہے۔ آپریشن سندور کا مقصد اگر پاکستان کو سبق سکھانا تھا تو یہ مقصد حاصل نہیں ہوا، کیوں کہ پاکستان کا آرمی چیف عاصم منیر، جس کے ہاتھ خون سے رنگین تھے، امریکہ میں امریکی صدر کے ساتھ ظہرانہ کر رہا تھا۔ اگر آپریشن سندور کا مقصد دہشت گردوں کو ختم کرنا تھا تو یہ مقصد بھی منزل آشنا نہیں ہوا، کیوں کہ اقوام متحدہ نے عاصم منیر سے نیویارک کے ہیڈ کوارٹر میں نہ صرف یہ کہ ملاقات کی، بلکہ دہشت گردی مخالف تحریک کا اسے سربراہ بھی بنا دیا۔ یہ حکومت کی بدترین ناکامی ہے۔

حکومت نے آپریشن سندور کے ساتھ ایک نئے آپریشن کی بھی نقاب کشائی کی۔ اس نے کہا کہ پہلگام حملے میں ملوث تینوں دہشت گرد ’’آپریشن مہادیو‘‘ کے زیر عنوان مار گرائے گئے۔ حزب مخالف نے اس پر بھی گھیرا کہ یہ آپریشن اجلاس سے صرف ایک دن پہلے کیوں ہوا؟ یہ ایک گہری سازش ہے تا کہ آپریشن سندور کے سوالات سے بچا جا سکے۔ اللہ کرے کہ یہ طویل وعریض اجلاس کام کی باتوں سے معمور رہے اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے اقدامات کیے جائیں۔

❀ .... ❀ .... ❀

ہندو پاک جنگ کے دوران امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کا نام خوب زیر گردش رہا۔ ٹرمپ نے کہا تھا کہ ہندوستان نے جنگ بندی کی اپیل کی تھی، اس لیے امریکہ نے جنگ کی روک تھام کرائی۔ بعد میں یہ بھی لکھا کہ پاکستان نے انڈیا کے پانچ رافیل طیارے مار گرائے۔ ٹرمپ کے ان دعووں پر کانگریس نے حکومت کی دارو گیر کی۔ اب تازہ معاملہ محصولات میں اضافے کا ہے۔ امریکی صدر نے دھمکی دی ہے کہ ہم نے انڈیا پر 25 / فی صد ٹیرف لگایا تھا، اب ہم مزید ٹیکس لگائیں گے۔‘‘ ٹرمپ کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ ہندوستان روس سے بڑے پیمانے پر تیل خرید رہا ہے اور اس کی فروخت سے بہت منافع کما رہا ہے۔’’ بھارت یوکرین

میں ہونے والی اموات سے لاتعلق ہے۔‘‘ٹرمپ نے اپنے آن لائن پلیٹ فارم ’ٹروتھ سوشل‘ پر لکھا تھا کہ انڈیا کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ یوکرین میں روسی جنگی مشین کتنے لوگوں کو مار رہی ہے۔

امریکی صدر کی نت نئی وعید و تہدید پر کانگریس نے بھاجپا کا قاعدے سے محاصرہ کیا ہے۔ کہا ہے کہ ٹرمپ ہر روز ہندوستان کے خلاف بول رہا ہے، وطن عزیز کی توہین کر رہا ہے، اس کی ساکھ کو ختم کرتا جا رہا ہے اور مودی ہیں کہ سکون کے ساتھ گوش بر آواز۔ انڈین وزیر اعظم امریکہ سے ڈر کیوں رہے ہیں؟ وزارتِ خارجہ کے ترجمان رندھیر جیسوال کو دفاع کے لیے آنا پڑا۔ جواباً عرض کیا کہ امریکہ نے ہی روس سے تیل خریدنے کی ترغیب دی تھی، اب اسے اعتراض کیوں ہے؟ تاہم مودی حکومت پر تنقیدی نشتر چل ہی رہا ہے۔ ناطقہ پر گویا سکوت کی مہر۔

ٹرمپ کے تازہ رویے سے امریکہ و ہند کی تلخیاں نمایاں ہیں۔ یہ وہی ٹرمپ ہیں، جن سے دوستی کا دم نریندر مودی بھرتے رہے۔ مائی فرینڈ ڈونالڈ ٹرمپ کہہ کر شادیانے بجاتے رہے، لیکن خارجہ پالیسی میں مسلسل ناکامی نے انہیں عالمی تنہائی میں مبتلا کر دیا۔ اسی تنہائی کا احساس ہند و پاک جنگ کے درمیان بھی ہوا تھا۔ صحیح بات یہ ہے کہ مودی حکومت داخلی و خارجی ہر سطح پر ناکام رہی ہے۔ ملک خانہ جنگی کے بارود پر کھڑا ہے۔ نفرتوں کی گنگا لگاتار موج زن ہے۔ خارجہ منصوبہ بندیاں بھی تارِ عنکبوت کی طرح ہباءً منثورا۔ یہ ملک کی پیشانی پر ایک بدنما داغ ہے۔ دیکھنا ہے کہ یہ داغ کب اور کیسے جاتا ہے؟

❁ .... ❁ .... ❁

رواں سال کے اخیر میں صوبۂ بہار میں اسمبلی انتخابات ہونے ہیں۔ اندازہ ہے کہ اکتوبر، نومبر میں نئی حکومت کے انتخاب کا عمل ہوگا۔ اس سلسلے میں ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے اور حکومت کے مرکزی قائدین جس طرح کے بیانات دے رہے ہیں افسوسناک ہے۔ زعفرانی پارٹی شدید اعتراضات کی زد میں ہے۔ بہار کے رائے دہندگان پر ناگہاں ایسی تلوار لٹکا دی گئی جس سے وہاں کے عوام حیران و ششدر رہ گئے۔ انتہائی کم وقت میں انہیں اپنے بعض کاغذات درست کرانے کی کا حکم نامہ جاری کیا گیا اور اسے اسپیشل انٹینسیو ریویژن "sir" کا عنوان دے دیا۔ یعنی ووٹر لسٹ کی خصوصی گہری نظر ثانی۔ الیکشن کمیشن نے جس لہجے میں یہ اعلانات کیے، اس نے اہل بہار ہی نہیں بلکہ تمام سنجیدہ اہل تدبر کو بے چین کر دیا۔ ووٹر ویریفکیشن کے لیے اتنا کم وقت دیا گیا کہ خدشات کے بادل منڈلانے لگے۔ سیاسی مبصرین نے اسے خفیہ این آر سی بھی قرار دیا۔ آٹھ کروڑ رائے دہندگان کے لیے صرف ایک ماہ کا وقت مقرر کیا گیا، اسی لیے اپوزیشن کو سپریم کورٹ جانا پڑا۔ یہ الگ بات کہ بہاری عوام نے بیداری اور سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے

کاغذات درست کروا لیے۔ اب جو اعلان آیا ہے وہ اور بھی ڈرانے والا ہے۔ الیکشن کمیشن کے مطابق 24/ جون سے 25/ جولائی تک کی جانے والی نظر ثانی کے دوران 7/ کروڑ 89/ لاکھ رائے دہندگان کی تفصیلات کی تصدیق کی گئی تھی۔ 65/ لاکھ 62/ ہزار سے زیادہ ناموں کو خارج کر دیا گیا، 22/ لاکھ 34/ ہزار افراد فوت ہو چکے ہیں اور 36/ لاکھ 28/ ہزار یا تو نقل مکانی کر چکے ہیں یا اُن کا کوئی پتہ نہیں۔ پٹنہ میں سب سے زیادہ تین لاکھ 95/ ہزار ناموں کو خارج کیا گیا ہے۔ 65/ لاکھ 62/ ہزار افراد کا نام ووٹر لسٹ سے خارج ہونا تشویشناک ہے۔ اگر تسلیم بھی کر لیں کہ 22/ لاکھ 34/ ہزار افراد انتقال کر گئے تو بھی 36/ لاکھ 28/ ہزار افراد کا نام نہ آنا معمولی حادثہ نہیں۔ آر جے ڈی لیڈر تیجسوی یادو نے ایک پریس کانفرنس میں دعویٰ کیا کہ ہر اسمبلی حلقے کے 20/ سے 30/ ہزار نام ہٹا دیے گئے ہیں۔ اتنا ہی نہیں، میرا نام بھی ووٹر لسٹ سے حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ الگ بات کہ الیکشن کمیشن نے تردید کرتے ہوئے فوراً کہا کہ ان کا نام موجود ہے۔ یادو کا دعویٰ درست ہے یا الیکشن کمیشن کا؟ یہ وہی جانیں، مگر کمیشن کے جاری کردہ مسودے سے جتنے نام خارج کیے گئے لاریب کہ وہ ہوش ربا ہیں۔ یہ تعداد چھوٹی نہیں ہوتی بہت بڑی ہے۔ حکومت کے بننے اور ٹوٹنے میں چند ووٹ ہی کافی ہوتے ہیں۔ یہاں معاملہ ہزاروں نہیں، لاکھوں کا ہے۔ اتنے ناموں کا فہرست سے غائب ہو جانا نہ صرف یہ کہ متعلق متعلقہ گھرانوں کے لیے بے حد دکھ کی گھڑی ہے، بلکہ ان تمام افراد کے لیے بھی سخت پریشان کن، جو اپنے سینے میں زندہ اور دردمند دل رکھتے ہیں۔ الیکشن کمیشن کہتا ہے کہ یکم ستمبر تک اہل الرائے اپنی شکایات پیش کر سکتے ہیں۔ 30/ ستمبر تک حتمی فہرست جاری کر دی جائے گی۔ ممکن ہے کہ اس دوران کچھ نئے ناموں کا بھی اندراج ہو جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دستاویزات کی کمی کی بنا پر کچھ اور نام ہٹا دیے جائیں۔ اگر کسی ایک مستحق کا نام بھی آنے سے رہ گیا تو یہ صرف اس کا نہیں، جمہوریت کا خون ہوگا۔ اتنی بڑی تعداد میں ناموں کا خارج کیا جانا پارلیمنٹ کے مانسون اجلاس میں بھی زیر بحث رہا۔ اپوزیشن نے ہنگامے کیے۔ نعرے بازی کی۔ ایوان کی کارروائی بار بار ملتوی کرنی پڑی۔ الیکشن کمیشن کا فرض منصبی ہے کہ وہ شفاف انتخابات کی راہیں ہموار کرے اور کسی بھی شہری کو اس کے حق سے محروم نہ کرے۔

❁ .... ❁ .... ❁

غزہ کی صورت حال پر کوئی روئے تو کتنا روئے! آنسوؤں کا ایک ایک قطرہ آنکھوں سے نکل چکا۔ وہاں کے ہولناک مناظر رلانا چاہتے ہیں، مگر آنکھیں ویران ہو چکیں۔ حالات انتہائی نازک ہیں۔ کم و بیش 61/ ہزار لوگ شہید ہو گئے، جن میں اکثریت بچوں اور خواتین کی تھی۔ زخمیوں کی تعداد کا صحیح اندازہ لگانا

ممکن نہیں رہا۔ خانماں بربادوں کا کوئی شمار و قطار نہیں۔ ہر طرح کی سہولیات سے محروم کر دیے گئے۔ مکانات رہے، نہ ہسپتال۔ تعلیم گاہیں رہیں نہ راحت رسانی کا سامان۔ اسرائیلی بمباریوں نے سب کچھ ختم کر دیا۔ پھر قحط کی وہ قہر سامانی کہ لوگ بھوک سے مرنے لگے۔ غذائی قلت سے فلسطین میں ہاہا کار مچ گئی۔ مقدس دیار کے باشندے ایک ایک نوالے کو ترس گئے۔ ایک ایک بوند کو رو رہے ہیں۔ آنکھیں خشک کنویں کا نظارہ پیش کر رہی ہیں۔ چہرے پر مردنی چھائی ہے۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئیں۔ رپورٹ کے مطابق 154 لوگ صرف بھوک پیاس کی وجہ سے جاں بہ حق ہو گئے، جن میں سے 89 / تو صرف بچے ہی تھے۔ لوگوں کی صحت دن بدن گرتی جا رہی ہے۔ وزن کم سے کم ہوتا جا رہا ہے۔ بچوں کی نشو ونما کا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ غزہ کے مسلمانوں پر ایک نئی آفت۔ پوری دنیا سے آواز اٹھی، مگر ظالم اسرائیل نے ناکہ بندی کر رکھی ہے۔ کہیں سے خوراک پہونچنے ہی نہیں دی جا رہی۔ فلسطین نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل سے مطالبہ کیا کہ وہ غزہ کی صورت حال کو کنٹرول کرے اور بین الاقوامی پالیسیوں کو نافذ کرے، لیکن کون سنتا ہے فغان درویش۔ امریکی صدر ان دنوں مصالحت کار بنے ہوئے ہیں۔ ہند و پاک کی طرح غزہ میں بھی جنگ بندی کی بات کی، مگر نتیجہ صفر۔ صہیونیوں کے وعدے معاہدے ناپائیدار بلبلے ثابت ہوئے۔ پچھلے ڈھائی سال کے دوران کئی مرتبہ جنگ بندی ہوئی، چند دنوں کے بعد پھر وہی شرارتیں، وہی پرانی عیاریاں، وہی دجالیت کا دیدہ دلیری سے مظاہرہ۔ اہل اسلام کے علاوہ اگر کسی انسان کے ساتھ کوئی معمولی سا واقعہ بھی پیش آ جائے تو اقوام متحدہ اور حقوق انسانی کے علمبردار چیخنے چلانے لگتے ہیں اور تحفظ انسانیت کی دہائی دینے لگتے ہیں، لیکن فلسطین انہیں نظر نہیں آتا، جہاں پچھلے ڈھائی سالوں سے قتل عام کا ایک مہیب سلسلہ جاری ہے۔ ایک قیامت برپا ہے، سینہ کوبی اور ماتم ہے۔ اس کے باوجود حقوق انسانی کی دہائی دینے والی تمام طاقتور کی زبانیں گنگ ہیں۔ یہ ہے عالمی برادری کا دوغلا پن؛ کہیں معمولی خراش بھی غیر معمولی ٹھہر جاتی ہے اور کہیں غیر معمولی سانحات بھی ناگفتنی اور ان کہی۔ عالمی طاقتوں کو اگر انسانوں سے ذرا بھی ہمدردی ہے تو انہیں فلسطینیوں کی راحت رسانی کے لیے فوری قدم اٹھانا ہوگا، ورنہ گھڑیالی آنسو بہانا چھوڑ دے۔ وقت جس دن الٹی زقند لگائے گا، یہ دوہرا معیار بھی اپنی موت مر جائے گا:

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں
ناؤ کاغذ کی سدا چلتی نہیں

……✦……

امام العصر علامہ انور شاہ کی بے مثال شخصیت

مولانا بدرالحسن القاسمی، کویت

عام طور پر معاصرت کو منافست اور منافرت کا باعث سمجھا جاتا ہے لیکن اس دنیا میں ایسے قدسی نفوس بھی گزرے ہیں جنہوں نے اپنے معاصرین کی دل کھول کر تعریف کی ہے اور انکے فضل وکمال کا برملا اعتراف کیا ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی جو خود بلند پایہ عالم محدث مفسر اور زبردست متکلم تھے اور جن کو دنیا شیخ الاسلام کے لقب سے یاد کرتی ہے انہوں نے اپنے معاصر اور ہم سبق امام العصر علامہ محمد انور شاہ کے بارے میں یہ جملہ لکھا ہے: لم ترَ العیونُ مثلَه ولم یرَ ھو مثلَ نفسهِ۔ یعنی نہ تو دنیا کی نگاہوں نے ان کی کوئی نظیر دیکھی اور نہ خود انہوں نے اپنا کوئی ثانی اور مثیل دیکھا (فتح الملہم 1/350)

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ جملہ اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے اسی لئے پوری اسلامی تاریخ میں صرف چند ہی ایسی باکمال شخصیتوں کے نام ملتے ہیں جن کے بارے میں ان کے ہم زمانہ ارباب فضل وکمال اور ان کے معاصرین نے کھلے دل سے انکی بڑائی اور فوقیت کو تسلیم کیا ہے اور اس حقیقت کے اعتراف کے لئے یہ جملہ استعمال کیا ہے۔

علامہ انور شاہ صاحب کے علوم کے سب سے زیادہ مستند ترجمان علامہ محمد یوسف بنوری نے یہ جملہ نقل کرنے کے بعد ان علماء وائمہ دین کے ناموں کا ذکر کیا ہے جن پر حضرت شاہ صاحب سے پہلے اس جملہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ انکی جستجو اور تحقیق کے مطابق سب سے پہلے اس جملہ کا اطلاق مشہور محدث عثمان بن سعید الدارمی کے بارے میں کیا گیا، پھر علامہ ابو القاسم القشیری کے بارے میں کیا گیا، ان کے علاوہ حجۃ الاسلام امام غزالی کے بارے میں یہ جملہ استعمال کیا گیا، اس کے بعد اس جملہ کا مصداق فقہی موسوعہ ''المغنی'' کے مصنف معروف حنبلی فقیہ علامہ ابن قدامہ کو اس کا مصداق قرار دیا گیا اور ابن الحاجب المالکی نے ان کے بارے میں کہا کہ لم تر العیون مثله ولم یر ھو مثل نفسه پھر اس جملہ کا مستحق علامہ تقی الدین ابن دقیق العید کو قرار دیا گیا جو بلاشبہ اس کے مستحق تھے۔

حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی کے بقول انہوں نے البراء بن عازب رض کی ایک حدیث: أمرنا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بسبع ونہانا عن سبع سے چار سو فوائد مستنبط کئے تھے اور ان کی

کتاب ''الامام'' اوراس کی شرح ''الالمام'' حدیث اور فقہ میں ان کی غیر معمولی بصیرت کی دلیل ہے۔ پھر اس جملہ کا اطلاق امام ابن تیمیہ کے بارے میں کیا گیا جو اپنے غیر معمولی علمی استحضار اور ہر فن میں کمال کی وجہ سے بلا شبہ اس کے مستحق تھے۔ علامہ شمس الدین الذہبی نے یہ جملہ اپنے استاذ ابوالحجاج المزی کے بارے میں بھی استعمال کیا ہے۔ ان سبھوں کے بعد حافظ ابن حجر العسقلانی کو اس جملہ کا مصداق قرار دیا گیا ہے۔ جستجو کی جائے تو مزید کچھ نام مل سکتے ہیں چنانچہ میں کہتا ہوں کہ:

مثال کے طور پر امام بخاری کا یہ جملہ ما استصغرت نفسی الا عند ابن المدینی کہ مجھے اپنی کم مائیگی کا احساس صرف علی ابن المدینی کی مجلس میں ہوتا ہے، جب ان کے استاذ علی ابن المدینی نے یہ سنا تو اپنے شاگرد امام بخاری کے بارے میں فرمایا اس کی باتوں میں مت جاؤ: انه لم یر مثل نفسه۔

حقیقت یہ ہے کہ بخاری نے اپنی نظیر نہیں دیکھی ہے، لہٰذا اس کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ بہر کیف ان سبھوں کے بعد مولانا سید حسین احمد مدنی نے علامہ کشمیری کی وفات پر تعزیتی اجلاس میں فرمایا: لم أر مثله فی الاستبحار والاحاطة بسائر العلوم النقلیة والعقلیة بالهند ولا بالحجاز والعراق والشام مع أنی رأیت ولاقیت أعاظم رجال هذه البلاد وعلمائها وفضلائها میں نے تمام نقلی و عقلی علوم کے غیر معمولی استحضار اور ان پر کامل عبور رکھنے میں ان کی مثال نہ میں نے ہندوستان میں دیکھی اور نہ حجاز عراق اور شام میں دیکھی حالانکہ میں ان ملکوں کے اکابر اہل علم سے اور ارباب فضل وکمال سے ملتا رہا ہوں مجھے مولانا انور شاہ صاحب کے پایہ کا کوئی دوسرا عالم کہیں نظر نہیں آیا۔

علامہ عثمانی کا شاہ صاحب کے بارے میں یہ فرمانا بالکل درست اور برمحل ہے اور ان کے ذاتی تجربہ اور مشاھدہ اور ان سے علمی استفادہ پر مبنی ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی صاحب کی شہادت بھی اسی طرح کی ہے اور علامہ سید سلیمان ندوی کا یہ فرمانا کہ ''مولانا انور شاہ صاحب کی مثال اس سمندر جیسی ہے جس کی اوپر کی سطح پرسکون ہو اور اس کی گہرائیاں آبدار موتیوں سے مالا مال ہوں'' سب کا حاصل یہی ہے کہ:

یہ جہاں فانی ہے کوئی چیز لافانی نہیں * پھر بھی اس دنیا میں انور شاہ کا ثانی نہیں

علامہ انور شاہ کشمیری اور مولانا شبیر احمد عثمانی دونوں ہی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے شاگرد اور باہم خواجہ تاش تھے، علامہ کشمیری کی وفات کے موقع پر ڈابھیل میں منعقد ہونے والے تعزیتی اجلاس میں علامہ عثمانی نے زار و قطار روتے ہوئے جو تقریر کی تھی اس کا حاصل یہ تھا:

حضرت شاہ صاحب کی خبر وفات سننے بعد میں محسوس کر رہا ہوں کہ تمام علمی دنیا تاریک ہوگئی ہے اور آپ کی وفات سے درحقیقت پڑھنے والے طلبہ یتیم نہیں ہوئے۔ ان کو پڑھانے والے اور میسر ہو جائیں

گے حقیقت میں پڑھانے والے اساتذہ اور استفادہ کرنے والے علماء یتیم ہوگئے ہیں کیونکہ اب ہماری مشکلات قرآن و حدیث وغیرہ کو حل کرنے والا کوئی باقی نہیں رہا۔ قرآن و حدیث کی کسی مشکل کو حل کرنے کے لئے 15 اور 20 روز تک متقدمین کی تمام کتابوں کا بغور مطالعہ کیا لیکن جب اس پر بھی شفاء وتسکین قلب نہیں ہوئی تو حضرت شاہ صاحب سے مراجعت کی اور آپ نے اپنے جامع ومختصر الفاظ سے جواب مرحمت فرما کر مطمئن کر دیا۔ یا کسی کتاب کا حوالہ دیدیا کہ اس مشکل کا حل فلاں کتاب کے حل سے ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ دقیق سے دقیق اور مشکل سے مشکل مسائل آپ سے دریافت کئے جاتے تھے اور ان کو نہایت مختصر اور سادے الفاظ میں بے تکلف حل فرما دیتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام اشکالات ودقائق کو حل کر کے آپ کبھی کے فارغ ہو چکے ہیں ایسا وسیع اور محیط علم تھا کے سارے جواب واطراف پر نظر ہوتی تھی۔ اس لئے آپ کی وفات سے دین کا ایک بڑا استون منہدم ہوگیا ہے اور نہ صرف ہندوستان کو بلکہ تمام عالم انسانی کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا ہے فرمایا کہ: شاہ صاحب کے متعلق عام طور پر لوگوں کو یہی معلوم ہے کہ آپ کی قوت حافظہ کثرت مطالعہ اور وسعت نظر بے نظیر تھی، لیکن میرے نزدیک حضرت شاہ صاحب کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ وہ ہر علم وفن کے مسائل کی روح سے واقف تھے اور یہی حقیقتا علم کی معراج ہے۔ مجھ سے اگر مصر وشام کا کوئی آدمی پوچھتا کہ کیا تم نے حافظ ابن حجر عسقلانی شیخ تقی الدین ابن دقیق العید اور سلطان العلماء حضرت شیخ عز الدین بن عبد السلام کو دیکھا ہے؟ تو میں استعارہ کی زبان میں کہ سکتا تھا کہ ہاں دیکھا ہے۔ کیونکہ صرف زمانہ کا تقدم وتاخر کا فرق ہے اگر حضرت شاہ صاحب بھی چھٹی یا ساتویں صدی میں ہوتے تو ان خصوصیات کے حامل ہونے کی وجہ سے انہیں کے ہم مرتبہ شمار ہوتے اور آپ کا تذکرہ بھی انہیں کی طرح مدتوں کیا جاتا۔ اسی وجہ سے میں خیال کرتا ہوں کہ گویا حافظ ابن حجر اور شیخ تقی الدین اور سلطان العلماء کا آج ہی انتقال ہوا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت کے کریمانہ اخلاق عزیز الوجود خصائل اور شگفتہ مزاجی سے سب ہی واقف ہیں اور اگر یہ فرض کرو کہ کسی میں علم ورع اخلاق سبھی اوصاف جمع ہوں تب بھی انکی جیسی نورانی صورت وہ کہاں سے لے آتا وہ تو قبضہ کی چیز ہی نہیں ہے اور یہ بھی خدا کا بڑا انعام ہے چنانچہ انبیاء علیہم السلام سب حسین ووجیہ ہوئے ہیں ان کے چہروں کو دیکھتے ہی ان کے صدق وصفا اور اخلاص کا یقین ہو جاتا تھا۔ حضرت شاہ صاحب میں یہ سب چیزیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ جلسوں مناظروں اور ریلوں کا سفر کرتے وقت جہاں آپ کے علم وفضل کا غیر معمولی اثر ورعب پڑتا تھا وہاں آپ کے منور چہرے کا کافر ومشرک کے دل پر بھی نمایاں اثر ہوتا تھا۔ کسی نے سچ کہا ہے:

لیس علی اللہ بمستنکر * ان یجمع العالم فی واحد

شروع عمر میں آپ کی توجہ تصوف کی طرف کم تھی لیکن آخر عمر میں اس کی طرف بھی بہت انہماک ہوگیا

تھا عجیب عجیب حقائق بیان فرمایا کرتے تھے۔ مشکلات اور ھموم وغموم کا مقابلہ جس صبر واستقامت سے کرتے تھے وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ ضبط نفس اور استقلال مزاج میں ان کی کوئی نظیر نہیں تھی: الصدر من یلقی الخطوب بصدر هو بصبره وبحمده وبشكره. (روداد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل)

علامہ شبیر احمد عثمانی کے اصل الفاظ جن کا ذکر مضمون کے آغاز میں آیا تھا عربی میں یہ ہیں: فقيد المثيل عديم العديل بقية السلف حجة الخلف البحر المواج والسراج الوهاج. لم تر العيون مثله ولم ير هو مثل نفسه" آية من آيات الله وحجة الله على العالمين "
آنکھوں نے اُس جیسا کبھی نہیں دیکھا، اور اُس نے بھی اپنے جیسا کوئی نہیں دیکھا۔'' وہ رب کائنات کی نشانیوں میں سے ایک عظیم نشانی اور سارے عالم کیلئے دلیل راہ اور وسیلہ ہدایت تھے۔'' (فتح الملہم)

اور علامہ کشمیری کے مایہ ناز شاگرد "فیض الباری" کے مرتب و مدون مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی فرماتے ہیں: لو نظرت إليه لنظرت إلى رجلٍ يضاهي الذهبي في حفظه ويماثل إبن حجر في اتقانه و ضبطه ويساجل إبن دقيق العيد في عدله ودقة نظره ،ويشابه البحتري في شعره ويحاكي سحبان في بيانه وسحره،بلى وليس ذلك ببعيد من صنع الله عز وجل وليس على الله بمستنكر أن يجمع العالم في واحد" اگر آپ حضرت شاہ صاحب کو دیکھتے تو اندازہ ہوتا کہ ہم ایک ایسے شخص کو دیکھ رہے ہیں جو قوت حفظ میں امام ذہبی کے مشابہ ضبط واتقان میں علامہ ابن حجر عسقلانی کے ہم پایہ اور دقت نظر اور منصفانہ رائے میں امام ابن دقیق العید کے ہم رتبہ شاعری میں بحتری کے ہم پلہ اور بلاغت کلام وحسن بیان میں سحبان وائل کے مشابہ ہے، اور اللہ تعالی کی قدرت سے یہ بعید نہیں ہے ایک شخص میں پورے عالم کی خصوصیات کو جمع کر دے۔ یہ تو داخلی شہادتیں تھیں ترکی کی اسلامی خلافت میں وکیل شیخ الاسلام کے منصب پر فائز نامور محقق عالم فقیہ اور محدث علامہ زاہد بن الحسن الکوثری علامہ کشمیری کے بارے میں فرماتے ہیں: لم يأت بعد الشيخ الامام ابن الهمام مثله في استثارة الابحاث النادرة من ثنايا الأحاديث وهذه برهة طويلة من الدهر. علامہ ابن الہمام کے بعد علامہ کشمیری جیسا کوئی دوسرا شخص پیدا نہیں ہوا جو احادیث سے نادر قسم کے ابحاث ومسائل پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور ان دونوں شخصیتوں کے درمیان یہ بہت طویل وقفہ ہے۔ اسی لئے مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی نے انکی وفات پر فرمایا تھا کہ: "إنه لم يمت ولكن مات العلم والعلماء" یہ صرف شاہ صاحب کی موت نہیں ہے بلکہ ان کا اس دنیا سے چلا جانا علم اور علماء کے پورے طبقہ کی موت کے مرادف ہے۔

……✦……

قسط (۹)

امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ

اور علوم وفنون میں آپ کی جامعیت

ابوطہ محمد صغیر پرتاپ گڑھی

استاذ حدیث جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

تصوف واسرار وحکم

علامہ یوسف بنوریؒ لکھتے ہیں: ''آپؒ عمر کے ابتدائی مرحلے میں حقائق تصوف کی طرف کچھ زیادہ توجہ نہ دیتے تھے، لیکن آخری عمر میں آپ پر تصوف کے حقائق ومعارف کے بیان کرنے میں انہاک واستغراق کا غلبہ ہوگیا اور بلند حقائق اور ایسی معلومات بیان کرنے لگتے جو باعث حیرت ہوتی۔''

(نفحۃ العنبر فی حیاۃ الشیخ انور، ص: ۳۴)

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''علمی شغف وانہاک اور علمی کمال کا آپ پر اتنا غلبہ تھا کہ دوسرے تمام کمالات اور زندگی کے دوسرے پہلو اس کے نیچے بالکل دبے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ کی زندگی کا وہ بلند ترین پہلو بھی جس کو ''سلوک وتصوف'' سے تعبیر کرنا چاہئے، اس علمی کمال وشغف علمی سے دبا ہوا تھا۔ اللہ تعالی نے آپ کو اس دولت سے بھی حصہ وافر عطا فرمایا تھا اور یقیناً آپ آراستہ باطن واصحاب احسان میں سے تھے۔ حضرت گنگوہی سے مجاز بھی تھے، لیکن اس لائن میں باتیں کرنے کی عادت نہ تھی۔'' (تصویر انور، ص: ۳۳۲)

مولانا مناظر حسن گیلانی کا بیان ہے کہ: ''اپنے باطنی حال کے اخفاء میں آپ کی کوشش حد سے گذری ہوئی تھی۔'' (ایضاً، ص: ۲۶۵)

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں: ''آپ اعلی درجے کے صوفیانہ اخلاق یعنی تعلیم، توکل، صبر و رضا، استقامت، تواضع، حلم، سادگی، انکساری؛ وغیرہ آپ کی سیرت کے بنیادی عناصر ہیں، بلاشبہ آپ اپنے دور کے علمائے شرع میں نہایت قوی روحانی نسبت کے مالک تھے۔'' (ایضاً، ص: ۱۵۷)

مزید لکھتے ہیں کہ: آپ کا قلب اسرارالٰہی کا گنجینہ، انوار حقائق کا ایسا منبع تھا، جس پر آپ نے علم ظاہر کے پردے ڈال رکھے تھے۔'' (ایضاً، ص:۱۳۶)

مولانا محمد انوری رقم طراز ہیں: ''احقر نے بارہا دیکھا کہ اندھیرے کمرے میں مراقبہ فرما رہے ہیں، لیکن روشنی ایسی جیسے بجلی کے قمقمے روشن ہوں، حالانکہ اس وقت بجلی گل ہوئی تھی'' ۔(ایضاً، ص:۴۶۱)

آپ کے جانشین فخر المحدثین حضرت مولانا انظر شاہ لکھتے ہیں: ''آپ کو صوفیا سے ایک غیر معمولی عقیدت تھی، یہی تأثر کبھی کبھی ان الفاظ میں ادا فرماتے: صوفیا کی دلپذیر باتوں سے قلب و دماغ مطمئن ہوتے ہیں، جب کہ مناطقہ وفلاسفہ کی ہفوات سے ایک نہ ختم ہونے والی تشویش پیدا ہوتی ہے۔ آپ کا خاص دستور تھا کہ حدیث کے اسرار وحکم، بلکہ مجموعۂ شریعت کے مصالح پر طویل کلام فرماتے تھے۔ نیز اسرار وشریعت میں شیخ محی الدین ابن العربی اور شیخ شعرانی کا کلام ہمیشہ نقل فرماتے۔'' (ایضاً، ص:۱۱۵)

نیز آپ فرماتے تھے کہ: ''حقائق ومعارف کو سوائے شیخ اکبر کے سب سے زیادہ واضح کرسکتا ہوں اور وہ نصوص سے ثابت نہیں کرتے ہیں، میں نصوص سے منوا سکتا ہوں۔'' (ملفوظات محدث کشمیری، ص:۱۳۹)

مولانا محمد انوری لائل پوری بیان فرماتے ہیں کہ: ''ایک دن ایک عالم دین نے مسئلہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے متعلق سوال کیا، بس پھر کیا تھا تین دن عصر سے مغرب تک اور مغرب سے عشاء تک، اسی پر بیان فرماتے رہے۔ حضرت مجدد الف ثانی کی عبارات زبانی سنا رہے ہیں۔''

معارف لدنیہ میں یہ فرماتے ہیں: ''مکتوبات شریفہ میں یہ فرماتے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ کی یہ تحقیق ہے، عبقات میں شاہ اسماعیل شہید نے یوں فرمایا۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربی نے فتوحات میں یہ فرمایا، فصوص الحکم میں یہ ارشاد ہوتا ہے۔ حضرت مولانا حاجی (امداداللہ مہاجر مکیؒ) کی نظموں پہ نظمیں پڑھ کر سنا رہے ہیں۔'' (تصویر انور، ص:۴۵۹)

حضرت مولانا منظور نعمانی کی روایت ہے کہ ایک بار آپ نے فرمایا: ''اگر کوئی چاہے اور استعداد ہو تو ان شاء اللہ تین دن میں یہ بات پیدا ہوسکتی ہے کہ قلب سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دینے لگے، لیکن یہ بھی کچھ نہیں، اصل چیز تو بس احسانی کیفیت اور شریعت وسنت پہ استقامت ہے۔'' (الانور، ص:۳۲۵)

فرمایا: ''قلب بادشاہ ہے اور تمام جسم اس کی رعیت، یا یہ کہیے کہ قلب جڑ اور باقی اعضاء شاخیں۔ قلب ہی علوم ومعارف اور اخلاق وملکات کا سرچشمہ ہے۔ قلب ہی تجلیات ربانی کا مظہر ہے، اس میں کوئی سوراخ نہیں ہے۔ گنبد کی طرح بند ہے۔ نہ دروازہ، نہ کھڑکی، نہ دریچہ، جب یہ صورت ہے تو پھر قلب کے راز پر خدا تعالیٰ کے سوا کوئی مطلع ہوسکتا ہے؟ درحقیقت انسان مضغۂ قلب ہے اور سارا بدن انجن و بھاپ کی طرح ہے، جن سے مختلف کام وابستہ ہیں۔ صوفیاء لطیفۂ قلب سے ایک وسیع مقام مراد لیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہی سب سے اعلیٰ لطیفہ ہے۔ اس لطیفہ کی وسعتوں ومسافتوں کو اگر کوئی بیس سال میں بھی طے کرلے تو میں

اسے ناکام نہیں سمجھتا، اس جہالت و بے دینی کے دور میں سلوک کو کس قدر آسان سمجھ لیا گیا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ اصل لطائف صرف تین ہیں:

روح، قلب، نفس۔ باقی لطائف: سر، خفی، اخفی، جو مجدد الف ثانیؒ نے بیان کئے ہیں وہ اعتباری ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ قلب روحانیت و مادیات کے درمیان برزخ کی طرح ہے۔(نوادرات، ص:۱۸۹۔۹۰)

علم معانی و بیان و بدیع اور علم صرف ونحو

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں: ''کسی مسئلہ پر تقریر کرتے ہوئے اسی کی مناسبت سے جب ذہن کسی دوسرے مسئلہ کی طرف منتقل ہوتا تو عموماً فرماتے ''دفاع ہو گیا مجھے اس مسئلہ کی طرف''۔ ان دفاعی مسائل میں صرف ونحو، معانی، بیان و بدیع وغیرہ فنون تک کے مسائل شریک تھے، عربیت سے تعلق رکھنے والے ان علوم سے شاہ صاحب کو غیر معمولی دلچسپی تھی، ان علوم کی اعلیٰ بنیادی کتابوں کا غیر معمولی فکر ونظر کے ساتھ آپ نے مطالعہ کیا تھا، میرا خیال ہے کہ کافیہ اور شرح جامی کے ساتھ مدارس کے عام مولویوں کا جو تعلق ہوتا ہے، یہی تعلق شاہ صاحب کو سیبویہ کی ''الکتاب'' سے تھا، ابن عصفور جس کے نوٹ اور کچھ حواشی سیبویہ کی کتاب پر ہیں، اس نام کو پہلی دفعہ ہی خاکسار نے شاہ صاحب سے سنا تھا، اور کہہ سکتا ہوں کہ ان کے بعد پھر کسی مولوی کی زبان سے یہ لفظ سننے میں نہیں آیا۔ معانی، بیان و بدیع کے مسائل میں الجرجانی کی دلائل الاعجاز، اسرار البلاغہ، یا زمخشری کی مفصل کے سوا، تفتازانی وغیرہ مصنفوں کی کتابوں کا حوالہ دیتے ہوئے شاہ صاحب کو فقیر نے کبھی نہیں دیکھا۔'' (تصویر انور، ص: ۲۶۴)

حضرت مولانا یوسف بنوری لکھتے ہیں: ''حضرت الاستاذ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے میری طبیعت میں فصاحت و بلاغت کا ایسا معیار ودیعت کر دیا ہے کہ جس سے میری نظر میں فصیح و بلیغ کلام، غیر فصیح و بلیغ کلام سے جدا معلوم ہوتا ہے اور ان کی خصوصیات و درجات ذاتی وجدانی طور پر نمایاں ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا میں فصاحت و بلاغت میں کسی کا مقلد نہیں ہوں۔ چنانچہ ایسے بہت سے اشعار ہیں، جن کی فصاحت پر ارباب فن نے حرف گیری کی ہے، مگر وہ میرے نزدیک فصیح ہے، اسی طرح کتنی عبارتوں کی بلاغت پر انھوں نے انگشت نمائی کی ہے، لیکن میرے نزدیک بلاغت کے معیار پر کھری اتری ہے۔'' (یتیمۃ البیان مقدمہ مشکلات القرآن)

فرماتے تھے کہ ''ابن اثیر اور مصنف مقامات بدیع کو بھی ادیب مانتا ہوں، لیکن حریری کی میرے نزدیک کوئی حیثیت نہیں، وہ صرف ''وقائع نگار'' ہیں۔'' (نوادرات، ص:۲۷)

آپ کا ادبی ذوق اس قدر اعلیٰ تھا کہ بولتے ہوئے بھی مقفیٰ و مسجیٰ الفاظ زبان درفشاں سے نکلتے تھے، آپ نے حریری کی مقامات کے تتبع میں اپنی مقامات بھی لکھی تھی، جس میں کچھ مقامات بے نقطہ اور کچھ با نقطہ الفاظ کے تھے۔'' (تصویر انور، ص:۲۲۶)

فرماتے تھے''اگر کوئی مجھ سے یہ کہے کہ معانی میں کتاب لکھواور اس فن کی کسی کتاب کی طرف رجوع نہ کرو، پھر بھی مطول سے زیادہ بہتر لکھ سکتا ہوں، انشاءاللہ''(نوادرات، ص:۲۰۶)

کلام کا انداز ملاحظہ ہو: ابوداؤد شریف کی حدیث: ۱۹۴، "الوضوء مما انضجت النار" پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "هذه العبارة تفيد القصر ،لأن المسند اليه معرّف،و المسند مشتمل على ما يعين القصر ،قاله التفتاز انى ،فعلى هذا يكون المعنى : أن الوضوء لا يجب الا مما انضجت النار، فحسب ولا قائل به ۔ قال السيوطى ﷫ فى عقود الجمان ناقلاً عن نهاية الاعجاز للامام الرازى :أن التعريف اذا يكون فى الطرفين فموجب للحصر وإلافلاء۔ فعلى هذا لايكون ايراد۔ إلا أنى اختار ما قال به التفتاز انى مع زيادة قيد ستعرف۔ لأنه يلزم على ما قال أن يكون فى مثل قولهم "الكرم خلق حسن" قصر مع أنه لا يقول به أدنى عاقل۔أما مابين من الأمثلة فصيح ،إلا أن القصر فيهما ليس من جهة تعريف أحد الطرفين بل منها و من جهة دخول حرف الجر، اعنى:من۔ فلأ حسن أن يقال إن تعريف الطرفين مفيد للقصر ينافى كل وقت ،و أما تعريف أحد الطرفين فمفيد إذا كان فى الخبر حرف الجر و إلا فلا ۔ كقولهم: التوكل على الله و الحمد لله۔ والكلام فى العرب، فإنها مفيد للقصر ۔ و قوله : "الكرم خلق حسن"،لا،فافهم ۔ و يرد عليه أيضاً أن هذه الصورة المفيدة للقصر ، موجودة فى الحديث ، فإن المبتداء أعنى الوضوء معرف باللام ، و الخبر داخل عليه ايضاً حرف الجر، فجاء القصر و وقع القرار على ما عنه الفرار ۔فأقول: والذى أراه أن القصر إنما يكون فى الجملة الإسمية الغير المعدولة عن الفعلية، لا مطلقاً ۔ و أما فى حديث الباب فا لجملة هنا معدولة عن الفعلية ،و مما يدل على ذلك أن الحديث رُوى فى بعض الطرق بلفظ" توضؤوا مما مست النار" بصيغة الأمر ، فكانت فعلية، غير أنى لم أر تصريحاً على ذلك من أحد من أهل الفن۔

(انوارالودود شرح ابی داؤد، زیر ترتیب، بقلم بندہ محمد صغیر پرتاپ گڑھی)

حقیقت ومجاز اور کنایہ وارداف کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: دسوقی فرماتے ہیں کہ بعض کے نزدیک کنایہ ایسا لفظ ہے، جو معنی حقیقی میں اس لئے مستعمل ہے تاکہ اس سے مجاز کی طرف انتقال ہو۔ اس تعریف کی بنیاد پر کنایہ حقیقت میں داخل ہوگا اس لئے کہ کسی لفظ کو معنی موضوع لہ میں استعمال کرکے معنی موضوع لہ ہی مراد لینا، حقیقت ہے، خواہ اس سے وہی ایک معنی موضوع لہ مراد لیا جائے، جیسا کہ''صریح'' میں ہوتا ہے یا اس کے ساتھ معنی مجازی بھی مراد ہوں جیسا کہ کنایہ میں ہوتا ہے۔ دوسری رائے جسے یعقوبی نے لکھا ہے اور سکاکی کی بعض عبارتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ: کنایہ وہ لفظ ہے جس سے اس کے معنیٔ اصلی

اور معنیٔ لازم دونوں بیک وقت مراد ہوں؛ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ معنی لازم اصل مراد ہوتا ہے اور معنی حقیقی، معنی لازم کے تابع۔ جن حضرات نے یہ لکھا ہے کہ: کنایہ ایسا لفظ ہے جس سے اس کا لازم معنی مراد لیا جائے اور اس کے ساتھ اس کے معنی ملزوم کا بھی مراد لینا درست ہو، ان کا بھی یہی مطلب ہے۔ اس لئے کہ لفظ ''مع'' متبوع پر داخل ہوتا ہے نہ کہ تابع پر؛ چنانچہ "جاء زيد مع الامير" تو کہا جاتا ہے، لیکن ''جاء الامیر مع زید'' کہنا درست نہیں۔

مزید لکھتے ہیں کہ: معنی حقیقی مراد لینا، اس حیثیت سے کہ مقصود کی طرف انتقال ہو، کنایہ اور مجاز دونوں میں درست ہے، مگر اس حیثیت سے کہ معنی حقیقی ہی مراد ہو، کنایہ اور مجاز دونوں میں ممنوع ہے؛ لیکن بیک وقت دونوں کو اس طرح مراد لینا کہ مقصود صرف معنی لازم ہو، کنایہ میں تو درست ہے، مجاز میں نہیں۔ ''عروس الافراح'' میں تصریح ہے کہ "زيد كثير الرماد" سے اس کی جود وسخا مراد ہوتی ہے، تاہم اس سے معنی حقیقی - بہت زیادہ راکھ والا - بھی مراد لیا جاسکتا ہے، جب کہ لازم وملزوم دونوں کے افادے کا بیک وقت ارادہ کیا جائے۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا اس سے یہ وہم نہیں ہونا چاہئے کہ اس سے جمع بين الحقيقة و المجاز یا جمع بین الحقیقتین لازم آتا ہے۔ اس لئے کہ یہاں تعدد ارادہ استعمال میں نہیں ہے، بلکہ افادہ میں ہے۔ پھر یہ کہ لفظ اپنے معنی موضوع لہ میں استعمال ہوا ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ کوئی لفظ کسی ایک معنی میں استعمال کیا جاتا ہے مگر اس سے بہت سے معانی مقصود ہوتے ہیں۔ اگر یہ اشکال ہو کہ "فلان طويل النجاد" (فلاں لمبے پرتلے والا ہے، یعنی لمبے قد والا ہے) "فلان رفيع العماد" (فلاں لمبے ستون والا ہے، یعنی شریف آدمی ہے) "فلان كثير الرماد" (فلاں بہت زیادہ راکھ والا ہے میں، یعنی سخی ہے) وغیرہ جملے استعمال کئے جاتے ہیں، اگرچہ وہ شخص صاحب نجاد وعماد اور صاحب رماد نہ ہو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان چیزوں کے نہ ہونے سے یہ نہیں لازم آتا کہ ایسا کہنا صحیح نہ ہو، کیونکہ ان چیزوں کا وجود ہوسکتا ہے اور اس کے حق میں تحقق بھی ممکن ہے، تو ایسا کہنا بھی صحیح ہوگا اور جب کہنا صحیح ہوا تو ایسا لفظ بول کر سخاوت کا معنی مراد لینا بھی صحیح ہے۔ ہاں اگر ان چیزوں کا پایا جانا ممکن نہ ہو تو پھر مذکورہ بالا اعتراض ہوسکتا ہے۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ کہا جائے: "زيد طويل النجاد" اور مراد یہ ہو کہ وہ لمبے قد کا ہے۔ یہ کنایہ ہوگا، کیونکہ کوئی ایسا قرینہ نہیں پایا جاتا جو طول نجاد سے خود پرتلے کی لمبائی مع قد کی لمبائی مراد لینے سے مانع ہو۔

ابن السبکی نے لکھا کہ: درست یہی ہے کہ ''کنایہ'' میں دو چیزیں مقصود ہوتی ہیں، ایک لفظ کا مدلول جسے ارادۂ استعمال کہا جاتا ہے، دوسرا ملزوم، یہی ارادۂ افادہ کہلاتا ہے؛ جب کہ مجاز میں ایک ہی شئ جو کہ لفظ کا مدلول ہے، مراد ہوتی ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ مجاز میں بھی دو چیزوں کا ارادہ ہوتا ہے: ارادۂ افادہ اور ارادۂ استعمال۔ مگر اس میں دونوں ارادے محل واحد میں ہوتے ہیں۔ یعنی اس سے استعمال اور افادہ دونوں کے اعتبار سے معنی غیر موضوع لہ کا ارادہ کیا جاتا ہے، برخلاف کنایہ کے۔

ابن السبکی مزید لکھتے ہیں کہ: فرض کرو کہ کنایہ کا استعمال معنی غیر موضوع لہ میں ہے، تو یہ کہنا کیسے درست ہے کہ مجاز کی تعریف میں قرینہ کی شرط لگانے سے کنایہ مجاز سے نکل گیا؟ اس لئے کہ کنایہ قرینے کا محتاج ہوتا ہے، مثلاً: اگر آپ "زید کثیر الرماد" کہیں اور کوئی قرینہ ایسا نہ ہو جو اس لفظ کو سخاوت کے لئے متعین کر دے، تو کنایہ سمجھ میں نہیں آئے گا۔ بلکہ ذہنی انتقال یہ ہوگا کہ زید کوئی کوئلہ فروش، باورچی یا نان بائی ہے (جس کی وجہ سے اس کے پاس زیادہ راکھ جمع ہوگئی) اس کا جواب یہ ہے کہ کنایہ یقیناً قرینہ کا محتاج ہے؟ مگر جب کوئی لفظ کنایہ کے لئے زیادہ مشہور ہو تو قرینہ سے بے نیاز ہوتا ہے جیسے: عرفی حقیقتیں، مگر وہ ایسا قرینہ نہیں جس کے باعث، مجاز کے مانند، معنی غیر موضوع لہ میں، لفظ کو استعمال کیا جائے، بلکہ اس سے ارادۂ استعمال کا فائدہ ہوتا ہے۔ جرجانی ''دلائل الاعجاز'' میں لکھتے ہیں کہ: مکنی عنہ، خود اس لفظ سے نہیں، بلکہ دوسری وجہ سے جانا جاتا ہے، چنانچہ کسی کی جانب کثرت رماد کی نسبت کرنے سے اس کا سخی ہونا معلوم نہیں ہوتا، بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ مدح وثنا ہے اور ظاہر ہے کہ راکھ کی زیادتی، مدح کی چیز نہیں (اس لئے سخاوت مراد لی گئی جس میں مدح کے معنی موجود ہیں۔)

زمخشری کہتے ہیں: کنایہ یہ ہے کہ: کسی چیز کو لفظ غیر موضوع لہ سے تعبیر کیا جائے۔ جب کہ تعریض: ایک چیز ذکر کر کے، دوسری غیر مذکور چیز مراد لیے جانے کو کہتے ہیں۔ ابن الاثیر ''المثل السائر'' میں فرماتے ہیں کہ: میری رائے میں کنایہ یہ ہے کہ جب وہ وارد ہو تو اس کو حقیقت اور مجاز دونوں اپنی اپنی جانب کھینچیں، نیز اسے بیک وقت دونوں پر محمول کرنا درست ہو۔ چنانچہ آیت کریمہ "أَوْ لَا مَسْتُمُ النِّسَاءَ" میں لمس کو حقیقی اور مجازی دونوں معنی پر محمول کرنا درست ہے اور دونوں صورتوں میں معنی بالکل صحیح ہوں گے (انتہی)

اس کی دلیل یہ ہے کہ اصل وضع کے اعتبار سے ''کنایہ'' کا حاصل یہ ہے کہ ایک چیز بول کر دوسری چیز مراد لی جائے؛ چناں چہ کہا جاتا ہے: "کنیت بکذا عن کذا" اس جملے کی دلالت اس پر بھی ہوتی ہے، جسے ذکر کیا گیا اور اس غیر مذکور پر بھی، جو مراد ہے۔ یہ بھی لکھا کہ: کنایہ میں اخفاء کا مفہوم ہے، چنانچہ جب کسی شئ کو چھپانے کی بات کہی جاتی ہے تو "کنیت الشئ" کہتے ہیں۔ یہ ان الفاظ میں بھی جاری ہے جن میں مجاز کو حقیقت کے ذریعہ چھپا لیا جائے۔ لہٰذا ساتر اور مستور دونوں پر بیک وقت ''کنایہ'' دلالت کرے گا، البتہ ان دونوں میں ایک وصف جامع کا پایا جانا ضروری ہے۔ تاکہ غیر کنائی شئ، کنایے میں شامل نہ کی جاسکے۔ مثلاً باری تعالی کے ارشاد: "إِنَّ هٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَّتِسْعُونَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ" ص: ۲۳ (یہ جو ہے بھائی ہے میرا، اس کے یہاں ہیں ننانوے دنبیاں اور میرے یہاں ایک دنبی۔) میں لفظ "نعجة'' کنایہ ہے نساء سے اور ان دونوں میں وصف جامع تانیث ہے۔

زمخشری مزید لکھتے ہیں: کنایہ یہ ہے کہ کسی معنی کی طرف اشارہ کرنے کا ارادہ ہو، مگر لفظ ایسا استعمال کیا جائے، جو اس معنی کے لئے وضع نہ کیا گیا ہو اور یہ لفظ اس معنی کے مشابہ ہو جس کی جانب اشارہ مطلوب

ہے، جیسے "فلان نقی الثوب" (فلاں کا لباس پاکیزہ ہے) یعنی عیوب سے پاک ہے۔ جب کہ ''ارداف'' یہ ہے کہ کسی معنی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ایسا لفظ استعمال کیا جائے، جو دوسرے معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو، مگر یہ معنی، مرادی مفہوم کا مرادف اور اس کے لئے لازم ہو مثلاً "فلان طویل النجاد" (فلاں لمبے پرتلے والا ہے) سے درازئ قد کی جانب اشارہ کیا جاتا ہے۔ یہاں طول نجاد، طول قامت کا مترادف اور اس کے لئے لازم ہے۔ برخلاف "نقاء الثوب" جو عیوب اور خامیوں سے مبرا ہونے سے کنایہ ہے، اس لئے کہ نقائے ثوب کے لئے عیوب سے پاکی لازم نہیں ہے، جیسا کہ طول نجاد کے لئے طول قامت لازم ہے۔ یہ بھی لکھا کہ: اگر اسی معنی کو ہم ان جملوں میں ادا کریں: "نقاء الثوب من الدنس کنزاهة العرض من العیوب" (کپڑے کو میل کچیل سے صاف کرنا ایسا ہے جیسے آبرو کی عیوب سے حفاظت) تو مشابہت اور کنایہ ومکنی عنہ کے درمیان مناسبت واضح ہوجاتی ہے۔

مصنف ''نہایۃ الاعجاز'' اپنی کتاب کی فصل دوم "ان الکنایة لیست من المجاز" میں کنایہ کی تعریف یوں کرتے ہیں: "ان الکنایة عبارة عن ان تذکر لفظة وتفید بمعناها معنی ثانیا هو المقصود" یعنی کنایہ یہ ہے کہ ایک لفظ ذکر کیا جائے، جو اپنے معنی ومفہوم سے ایک دوسرے مرادی معنی کا فائدہ دے۔ (پھر اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں) جب تو نے لفظ کے معنی سے مقصود کا فائدہ دیا تو ضروری ہوا کہ وہ معنی معتبر بھی ہو اور جب وہ معنی معتبر ہوا تو لفظ اپنے معنی موضوع لہ سے منتقل نہیں ہوا، لہٰذا مجاز بھی نہیں ہوگا۔ مثلاً: جب "زید کثیر الرماد" کہا جاتا ہے تو معنی موضوع لہ- کثرت رماد- اس کے سخی ہونے پر دلیل ہوتا ہے۔ پس یہ الفاظ اگرچہ اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہیں، لیکن ''کثیر الرماد'' ہونے سے مقصود معنی ثانی ''سخاوت'' کا فائدہ دینا ہے، جو معنی اول کے لئے لازم ہے۔ الحاصل جب کنایہ میں اس کے معنی اصلی کا اعتبار ضروری ہوا تو وہ قطعاً مجاز نہ ہوگا۔ کنایہ کے سلسلے میں انہیں چند امور کے نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، اس لئے کہ اس مسئلہ پر مستقل تصانیف موجود ہیں، تفصیل کے لئے ان کی جانب مراجعت کی جائے۔ اس سلسلے میں ''عروس الافراح'' میں طویل گفتگو کی گئی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کنایہ وہ لفظ ہے، جسے اس کے معنی موضوع لہ میں استعمال کیا گیا ہو اور مقصود اس کے بعض مترادفات ہوں؛ لہٰذا مکنی بہ، معنی اصلی ہے اور وہ لفظ بلا کسی تردد کے اس میں استعمال کیا گیا ہے، لیکن مقصود وہی بعض مترادفات اور متابعات ہیں، جو مکنی عنہ ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ لفظ مکنی عنہ پر ہی بولا جاتا ہے اور اسی میں استعمال ہوتا ہے؛ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے۔ عام طور پر کنایات کا استعمال ایسی جگہ ہوتا ہے، جہاں بات کو چھپانا و پوشیدہ رکھنا پیش نظر ہو، کہ اس جگہ تصریح واظہار کو پسند نہیں کیا جاتا، یا صراحتاً ذکر کو قبیح سمجھا جاتا، یا بدشگونی لی جاتی ہے، ایسے بہت سے مقتضیات ہیں (جن کی وجہ سے کنایہ کا استعمال ہوتا ہے) (حیات ابن مریم، ص: ۱۱۷-۱۲۱)

مزید تحریر فرماتے ہیں: کنایہ کے مشابہ، اقسام بدیع میں سے ایک قسم ارداف ہے، جس کی تعریف

یہ ہے کہ: متکلم کسی معنی کو ادا کرنے کے لیے لفظ موضوع لہ اور دلالت اشاری سے تعبیر کرنے کے بجائے، مرادف لفظ کا سہارا لے، جیسے ارشاد باری: "وَقُضِيَ الْأَمْرُ" - ہود: ۴۴- (اور ہو چکا کام) جس کی اصل یہ ہے "هلك من قضى الله هلاكه، ونجى من قضى الله نجاته" (ہلاک ہو گیا وہ جس کی ہلاکت کا فیصلہ اللہ تعالی نے کر دیا اور نجات پا گیا جس کی نجات کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کر دیا) لیکن اس کے بجائے یہاں مترادف لفظ لایا گیا، چونکہ اس تعبیر میں اختصار نیز اس پر تنبیہ ہے کہ ہلاک ہونے والے کی ہلاکت اور نجات یافتہ کی نجات، ایسے حاکم کے حکم کے باعث ہوئی، جس کا فیصلہ اٹل ہوتا ہے۔ امر چوں کہ آمر کو مستلزم ہے؛ اس لیے اس حکم اور فیصلے سے، آمر کی قدرت اور غلبہ کا اندازہ ہوتا ہے اور اس طرح اس کے عذاب کے خوف اور ثواب کی امید میں مامور، مطیع اور فرماں بردار بن جاتا ہے۔ یہ ساری چیزیں لفظ موضوع لہ سے حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔ بعض محققین، کنایہ اور ارداف میں فرق کرتے ہیں کہ: کنایہ میں لازم سے ملزوم کی طرف انتقال ہوتا ہے اور ''ارداف'' میں مذکور سے متروک کی طرف۔

علم صرف کے بارے میں فرماتے تھے ''ہنوز اس کی تدوین مکمل نہیں ہے''۔ (ایضاً ص: ۱۲۶-۱۲۷)

علمائے صرف و نحو نے تمام خواص ابواب پر احاطہ نہیں کیا ہے، بلکہ اس بحث کا، صرف اس حصے سے اعتناء کیا ہے جو اہم تھا۔ مزید برآں خواص ابواب کے موضوع پر اہل علم نے وقتاً فوقتاً جو کتابیں لکھی تھیں، وہ بھی ابھی تک نہیں چھپی ہیں۔ جو شخص اس موضوع پر تحقیق کرنا چاہے، اسے ابو حیان کی ''البحر المحیط'' کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ کیوں کہ علامہ ابو حیان کی یہ عادت ہے کہ جب قرآن کریم کے کسی باب سے گزرتے ہیں، تو وہ اس کے ابواب بالاستیعاب بیان کرتے ہیں، جو خواص ابواب کو مرتب کرنا چاہے، اس کے لئے یہی طریقہ بہتر ہے۔'' (مقدمہ حیات ابن مریم از فخر المحدثین مولانا سید انظر شاہ ص: ۱۳)

حرف ''بل'' استدراک کے معنی رکھتا ہے یا اضراب کے، علماء نحو کا اس میں اختلاف ہے، اس کو بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں: ''حرف ''بل'' معنی استدراک سے خالی نہیں ہوتا، چناں چہ صبان کہتے ہیں، نیز شرح قاموس میں مبرد وغیرہ سے بھی منقول ہے: کہ ''بل'' کے اندر معنی استدراک کے ہونے کو ''مغنی'' میں ان باتوں میں شمار کیا گیا ہے، جو نحویوں کے یہاں مشہور ہیں؛ حالانکہ صحیح اس کے خلاف ہے، نحوی کہتے ہیں کہ ''بل'' حرف ''اضراب'' ہے۔ میں کہتا ہوں کہ: حرف استدراک و اضراب دونوں ہے، کیوں کہ ''بل'' نفی و نہی کے بعد ''لکن'' کے درجے میں ہوتا ہے۔ (انتہی) ظاہر ہے کہ یہ اسی وقت ہوگا، جب کہ کوئی جملہ اس سے متصل ہو، ''مغنی'' کی عبارت اس کو بھی شامل ہے، جیسا کہ ابن قیمؒ نے ''بدائع الفوائد'' میں ذکر کیا ہے کہ حرف ''ام'' اتصال کے معنی سے خالی نہیں ہوتا ہے، اگر چہ اس سے متصل کوئی جملہ ہو۔ نیز نحویوں نے جملہ میں فقط ''اضراب'' ذکر کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جملہ کے مستقل ہونے کی وجہ سے استدراک کچھ اس طرح اس میں مخفی ہو گیا کہ گویا وہ کسی نئی چیز سے الجھ گیا، ورنہ اس کے لیے استدراک لازم ہے۔ (علامہ انور شاہ شخصیت اور علمی کمالات: ۳۸۶)

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر وتحمل

مولانا محمد منظور امین، جودھپور

اللہ تعالی نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے قابلِ عمل نمونہ اوصاف حمیدہ قرآن کریم میں جابہ جا ذکر فرما کر اس پر عمل درآمد پر زور دیا ہے۔

چناں چہ ارشاد فرمایا: قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِى يُحْبِبْكُمُ ٱللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ -

ترجمہ: اے پیغمبر آپ کہہ دیں: اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمھارے گناہوں کو معاف کر دے گا، اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے: لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِى رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلْيَوْمَ ٱلْءَاخِرَ وَذَكَرَ ٱللَّهَ كَثِيرًا۔

ترجمہ: یقینا تم میں سے اس شخص کے لیے اللہ کے پیغمبر میں بہترین نمونہ ہے، جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہو۔

اور دگر بہت ساری آیات کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات محمودہ پر روشنی ڈالی گئی ہے، جو معاشرے کو صحیح تشکیل دینے اور اس کو دینی بنیادوں پر کھڑا کرنے میں اساس ہیں، آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی زندگی کا ہر عمل عین قرآن تھا، آپ کے اخلاق، کردار، آپ کی نشست برخاست، آپ کا لین دین، آپ کا اپنوں اور غیروں کے ساتھ رویہ، خوشی اور غمی کے مواقع پر آپ کی سنت، الغرض زندگی کے سارے گوشے قرآن کا عکس تھے، ام المؤمنین حضرت عائشہ سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا، تو حضرت اماں عائشہ کے جوابی الفاظ جن کو تاریخ اسلام کے ماتھے کا جھومر کہا جا سکتا ہے، فرمایا کہ:

خلقه القرآن، آپ کے اخلاق دیکھنے ہو تو قرآن کا مطالعہ کرو۔

قرآن کریم میں ذکر کردہ آپ کے اوصاف جمیلہ میں آپ کا ایک عظیم وصف حلم صبر اور درگزر کی ایک

آیات میں بیان کیا گیا ہے، آپ کا یہ وصف ہر انسان کے لیے زندگی بسر کرنے اور اس حیات مستعار کو خوش گوار بنانے، اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ مثبت برتاؤں اور منفی رویوں سے گریز کرنے لیے از حد ضروری ہے، انسانی معاشرے میں اس صفت سے متصف لوگ کا فقدان گویا انسانیت کا ختم ہونا ہے، اس کے برعکس کسی سوسائٹی میں حلم وعفو کے حاملین لوگ کو موجود ہونا اس کی دنیاوی اور دینی کامیابی کا متضمن ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل جزیرۃ العرب میں بسنے والا انسان بہیمیت کا شکار اور آدم خور معاشرہ خدا کی زمین پر بوجھ بنا ہوا تھا، ان کے اندر منفی صفات سیئہ کوٹ کوٹ بھری ہوئی تھی، انسان نما بھڑیے تھے، چوری اور زنا ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا، اور باہمی رسا کشی اور آپسی کشا کشی اور معمولی باتوں پر سینکڑوں سال جنگ وجدال ان کے یہاں ایک عام سی بات تھی۔

الغرض انسانیت کا ننگا ناچ کیا جار ہا تھا، ایسے پرخطر دور میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر پر تاج نبوت سجائے ہوئے مکہ مکرمہ میں تشریف لائے، اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام بہ فضل ربانی اور بہ توفیق سبحانی اس بگڑے معاشرے میں دینی تبدیلی لانے اور اس انسان خور سوسائٹی میں انقلاب لانے کا عزم مصمم اپنے دل میں لیے کھڑے ہو گئے، وادی صفا کی چوٹی سے خدائی پیغام سنایا، اور اس مشرکانہ عبادات اور جاہلانہ رسوم کی دل دل میں پھنسے انسانوں کو سب سے پہلے توحید کا سبق بایں الفاظ سنایا، أیھا الناس! قولوا: لا إله إلا الله تفلحون۔

بس اس اعلان کا سننا تھا، کہ یکا یک آپ کے خلاف طوفان بدتمیزی کا طوفان اٹھ گیا، اپنے پرائے سب آں حضور کے خلاف ہو گئے، لیکن آپ کی شخصیت تھیں کہ ان خونخوار لوگوں کے ساتھ تحمل و برداشت کا مظاہرہ کیا، اور برد باری اور برداشت کی وہ مثال قائم کی جو پوری انسانیت کے لیے تا صبح قیامت نمونۂ عبرت بن گئ، تئیس سالہ دور نبوت بالخصوص تیرہ سال مکی دور کرب انگیز مظلومانہ کہانیوں سے لبریز ہیں، مکی زندگی میں آپ نے جن تکالیف اور جن مصائب کا سامنا کیا، اسے سن کر پتھر دل انسان بھی موم ہو جائے، اور آپ پر مصائب کے پہاڑ توڑے گئے، آپ کو بہت ڈرا اور دھمکایا گیا، اس کا اظہار خود زبان نبوت نے ان الفاظ میں کیا:

عن أنس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: »لقد أُخِفتُ في الله وما يُخافُ أحد، ولقد أُوذيت في الله وما يُؤذَى أحد!

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ کے رستے میں اتنا ڈرایا گیا، اتنا کسی کو نہیں ڈرایا گیا، اور اللہ کے لیے مجھے اتنا ستایا گیا، اتنا کسی کو بھی نہیں

ستایا گیا۔

اس کا گواہ طائف کا میدان آج بھی موجود زبان حال سے عرب کی ظالمانہ حرکتوں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر وتحمل کی داستان دل خراش بیان کر رہا ہے، مکی کی گالیاں آج بھی اس دل سوز داستان ظلم کو اپنے سینے میں محفوظ کیے ہر وارد صادر کو پیغام امن وامان دے رہی ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی نے آپ کی اس خوبی کا بارہا ذکر کیا ہے، اور آپ کی اس صفت کی بڑی تعریف وتوصیف فرمائی ہے۔

چناں چہ ارشاد ربانی ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ، وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ.

اے حبیب! پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم طبع ہیں اور اگر آپ تُند خُو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے، سو آپ ان سے درگزر فرمایا کریں اور ان کے لیے بخشش کی دعا مانگا کریں۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے، حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ،

ترجمہ: نبی علیہ الصلاۃ والسلام تمھارے کے ایمان حریص اور مہربان، اور رحم کرنے والے ہیں۔

اور ایک جگہ ارشاد ہے وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔

بے شک آپ اخلاق کے اعلی پیمانے پر ہیں۔

احادیث مبارکہ میں کئی ایک واقعات اس بات کے شاہد عدل ہیں کہ اللہ کے پیغمبر نے ظالمانہ اور جابرانہ رویوں کا کس صبر اور تحمل اور صبر سے جواب دیا، اس کی مثال آپ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے انسانیت سے عاری اور اخلاق سوز منفی صفات کے متصف لوگوں کے اصلاحی پہلو کو سنوارنے میں جس صبر وتحمل کے ساتھ کام کیا، اس کی نظیر نہ اگلوں میں ہے، اور نہ پچھلو میں ہے، اور نہ آئندہ لوگوں میں ہو سکتی ہے، آپ نے کفار کی طرف ایذا رسانیوں، اور ان کی ریشہ دوانیوں کا جواب ہمیشہ حسن سلوک اور صبر وتحمل سے دیا ہے، بھلا صرف تئیس سال کی قلیل مدت میں ایسے انسان نما درندوں کو ایسی ملکوتی عناصر سے آراستہ کرنے اور ان کی تراش اور خراش میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام جیسا صبر اور تحمل کوئی دوسرا کیوں کر دکھا سکتا ہے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ جیسا صبر وتحمل کا مادہ رکھنے والے اور انسانیت کی ہم دردی اور غم خواری رکھنے والے ایسے عظیم انسان تھے، جس کا اقرار مخالفین نے بھی کیا ہے، طائف کا مشہور واقعہ جو آپ کے بے مثال صبر وتحمل کو بیان کرتا ہے۔

جب آپ مکہ کے لوگوں کی طرف سے نا امید اور مایوس ہو کر طائف کے لوگوں کو دین کی طرف دعوت دینے تشریف لے گئے، لیکن طائف والوں نے بھی اہل مکہ کی طرح آپ کو ہر طرح سے ستایا، اوباش بدمعاش قسم کے لڑکوں نے پتھر مار کر آپ کو لہولہان کر دیا، اس موقع پر پہاڑ پر مامور فرشتہ آ کر آپ سے طائف والوں کو کچلنے اور نیست نابود کرنے کی بات کرتا ہے، لیکن آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے صبر وتحمل سے کام لیا، اور فرمایا کہ نہیں اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے، تو ان کی نسلوں میں دین کے داعی اور اسلام کے سپاہی پیدا ہوں گے! اس غیر معمولی واقعے سے مخالفین کے دل بھی رو پڑے۔

عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو ستانے اور تکلیف دینے میں ہمیشہ پیش پیش رہتا تھا، آپ کے گھرانے پر کیچڑ اچھالنے سے بھی باز نہیں آیا، لیکن آپ نے جس طرح اپنے دل پر پتھر رکھ کر اس کو یک لخت معاف کیا، اس سے بڑی برداشت اور صبر کی مثال ملنا ناممکن ہے!! قارئین کرام! آج کا ہمارے مسلم معاشرہ میں ہر طرح کی برائی عام ہے، آپسی لڑائیاں، ماں باپ کی حق تلفیاں، اور آئے دن قتل کی کہانیاں اور خودکشی کے واقعات، طلاق وغیرہ جیسے مہلک امراض پیدا ہونے کا واحد سبب عدم برداشت ہے، جس معاشرے میں تحمل وبردباری کا مادہ نہیں، اس کو سربلندی کے ساتھ جینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، وہی معاشرہ عزت اور سرخ روئی حاصل کر سکتا ہے، جس کے افراد صبر اور تحمل سے کام لیتے ہیں۔

اس لیے اللہ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: **وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ**

ترجمہ: ہم نے ان میں سے ایسے لوگوں کو پیشوا بنایا جو ہماری اجازت سے ہدایت کا راستہ بتاتے ہیں، جب انھوں نے صبر کیا، اور وہ ہماری آیت پر یقین رکھتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں صاف صاف فرمایا گیا ہے: کہ مقتدا اور پیشوا بننے کا حق انہی لوگوں کو حاصل ہے، جو صبر اور تحمل کا دامن تھامے رکھتے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کیا جائے، اور معاشرے کو اسلامی ڈھانچہ میں ڈھالنے کے لیے صبر وتحمل کا سبق عام ہو، اور معاشرے کا ہر فرد اپنے اندر اس صفت حلم کو پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

……◆……

حضرت مولانا ظہور الحق سلہٹیؒ

مولانا سید فضیل احمد ناصری

استاذ حدیث جامعہ ہذا و نائب مدیر ماہ نامہ محدث عصر

امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے ممتاز تلامذہ کی بات ہو تو مولانا ظہور الحق سلہٹی نوک قلم پر خود بہ خود آ جاتے ہیں۔ نیکیوں کا مجسمہ۔ علم و عمل کا مرقع۔ تصلب فی الدین کا مینار۔ ظاہر مجلی، باطن مزکی۔ نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو۔ کتب بینی کے رسیا۔ نگاہ عقابی۔ سخن دل نواز۔ اکابر اسلام کے عاشق زار۔ عربی زبان پر مکمل عبور۔ حدیث وفقہ کے عظیم شناور۔ حضرت شیخ الہند سے اجازتِ حدیث پائی۔ اپنے علم، جلالت شان اور تبحر فی العلم کی بنا پر تلامذہ کے درمیان استاذ اکبر کہے جاتے۔

مولانا کی ولادتِ باسعادت، تعلیم وتربیت

مولانا موصوف باروٹھا کوری ضلع سلہٹ بنگلہ دیش میں 1889 میں پیدا ہوئے۔ سلہٹ اس زمانے میں صوبۂ آسام میں پڑتا تھا۔ بنگال کی عظیم روحانی شخصیت شاہ جلالؒ کی نسبت سے سلہٹ کو جلال آباد بھی کہا جاتا ہے۔ والد کا نام امید رضا اور دادا کا نام عادل رضا تھا۔ خاندانی طور پر تعلق دار تھے، جو قریب قریب چودھری کا ہم معنی ہے۔ مولانا کے پدر بزرگوار بھی صاحب علم و فضل تھے۔ انہوں نے اپنے فرزند کی تعلیم و تربیت پر بھی خصوصی توجہ دی۔ مکتبی تعلیم سے فراغت کے بعد تکمیل حفظ کی نیت سے کھڑے ہوئے اور چند سالوں میں ہی تحفیظ قرآن کی سعادت سے بہرہ ور بھی ہو گئے۔ عربی کی ابتدائی اور متوسط تعلیم اپنے گاؤں میں ہی اپنے گرامی قدر والد کی نگرانی میں حاصل کی۔ موقوف علیہ سے پہلے کی کتابیں پڑھ لینے کے بعد سلسلۂ تعلیم ٹوٹ گیا، مگر کیوں ٹوٹا، اس کا سراغ نہیں ملتا۔ درس وتدریس کے لئے ڈھاکہ چلے گئے۔ وہاں انہوں نے مدرسہ محسنیہ میں 1911 / تا 1913 / مسلسل تین سال پڑھایا۔ عربی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم میں بھی طالع آزمائی کی۔ آسام تعلیمی بورڈ کے زیر اہتمام لوئر ایجوکیشن اور ہائر ایجوکیشن کے امتحانات میں بھی شرکت کی اور اعلیٰ نمبرات سے کامیاب رہے۔

مسندِ تدریس پر جلوہ افروزی اور پھر تحصیل علم کا سفر

مدرسہ محسنیہ میں تین سال گزارا اپنے وطن چلے آئے اور وہاں بھی درس وتدریس کی محفل سجائی۔ کئی سالہ تدریس کے بعد ان کا دل پڑھانے سے اُچاٹ ہوگیا۔ رہ رہ کر خیال آیا کہ کیوں نہ مزید تعلیم کے لیے سفر کیا جائے، مگر جایا کہاں جائے! علوم کے بحر نا پیدا کنار سے ابھی جرعہ نوشی نہیں ہوئی تھی، دل میں آیا کہ ادھر کا قصد بھی کر ہی لیا جائے، چناں چہ تدریس کو چھوڑ چھاڑ علمی تشنگی بجھانے کے لیے سہارن پور کا رخ کیا۔ اس وقت وہاں محدث جلیل علامہ خلیل احمد سہارنپوری کی مسند درس شباب پر تھی۔ علوم ومعارف کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر مسلسل تلاطم پذیر تھا۔ وہاں انہوں نے موقوف علیہ کی کتابیں پڑھیں۔ جلالین، مشکوٰۃ اور نخبۃ الفکر کا تحریری امتحان دیا۔ سالانہ امتحان میں ان کے نمبرات علی الترتیب 10، 15 اور 18 تھے۔ اس زمانے میں مظاہر علوم میں نمبرات کی آخری حد 20 / تھی۔ طلبہ کو جو بھی مارک حاصل کرنا ہوتا، انہیں میں سے کرتے، بلکہ مجوزہ نمبرات کا 20 / تک ہی محدود رہنا میری طالب علمی کے دور میں بھی رہا۔ ادھر چند سالوں سے مجوزہ نمبرات 100 / کر دیے گئے ہیں۔ شرح عقائد نسفی، میبذی اور زیارت حرمین نامی کتابیں انعام میں ملیں۔ مولانا کا مارک شیٹ ناظم مظاہر برادرم مولانا سید محمد صالح صاحب زید مجدہم کی عنایت سے موصول ہوا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

دارالعلوم دیوبند میں اکابر علما سے تلمذ

مظاہر میں ان کا قیام 1333ھ 1334ھ کے تعلیمی سال رہا۔ یعنی صرف ایک سال۔ پھر شوق علم نے انہیں دارالعلوم دیوبند پہونچا دیا۔ یہاں انہوں نے اعلام امت سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ ایک ڈیڑھ سال قبل ہی 1333ھ میں دارالعلوم چھوڑ چکے تھے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ ان دنوں شیخ الحدیث تھے اور صدر المدرسین بھی۔ ان کا علمی غلغلہ آفاق کے چکر لگا چکا تھا۔ دیگر اساتذہ میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا سید اصغر حسین میاں دیوبندیؒ، اور مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ وغیرہ نے علم کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ مولانا سلہٹیؒ نے کشمیری الامامؒ سے بخاری شریف اور ابوداؤد شریف پڑھی۔ ان کے ساتھیوں میں مولانا فضل الرحمن چاٹگامیؒ، مولانا عبداللہ تاشقندیؒ، مولانا شکر اللہ اعظمیؒ اور مولانا عبداللہ خاں ہوشیار پوریؒ وغیرہ تھے۔ اس سال دورۂ حدیث میں 44 / طلبہ تھے۔ دارالعلوم میں پڑھنے والوں کی مجموعی تعداد 597 / تھی۔ مولانا کی فراغت دارالعلوم سے 1335,1334ھ مطابق 1916ء

میں ہوئی۔ دارالعلوم دیوبند سے استفسار پر ناچیز کو جو تحریر حاصل ہوئی وہ اس طرح ہے:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض خدمت ہے کہ منسلکہ درخواست میں مطلوب ممکنہ معلومات حسب ذیل ہیں:

ریکارڈ کے مطابق جناب مولانا ظہورالحق صاحب ولد جناب امید رضا صاحب موضع باروٹا کوری، ڈاک خانہ بنگا بازار، تحصیل کریم گنج، ضلع سلہٹ کا دارالعلوم دیوبند میں داخلہ 5/شوال 1334ھ میں ہوا، دورۂ حدیث شریف سے فراغت شعبان 1335ھ میں ہوئی، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے پڑھ کر آئے تھے، عمر بہ وقت داخلہ 25/سال۔

دورۂ حدیث شریف کے امتحان سالانہ میں حاصل کردہ نمبرات مندرجہ ذیل ہیں:

نمبر شمار	کتب امتحان	حاصل کردہ نمبرات	نمبر شمار	کتب امتحان	حاصل کردہ نمبرات
1	مسلم شریف	48	7	طحاوی شریف	42
2	ابوداؤد شریف	45	8	ترمذی شریف	42
3	موطا امام محمد	45	9	ابن ماجہ شریف	35
4	شمائل ترمذی شریف	44	10	بخاری شریف	35
5	نسائی شریف	43	11	بیضاوی شریف	38
6	موطا امام مالک	43			

ابوداؤد شریف کے آغاز پر اظہار مسرت

علامہ کشمیریؒ کے پاس ابوداؤد شریف کا پہلا سبق ہوا اور ان کے درس نے بحر اوقیانوس کا نظارہ پیش کیا تو سلہٹ کے اس وارفتہ شاگرد کا وفور مسرت دیکھیے! اپنی خوشی کا اظہار کن الفاظ میں کرتے ہیں:

آج بتاریخ 23/شوال المکرم 1334ھ یوم سہ شنبہ ہماری خوش قسمتی سے ابوداؤد شریف مولانا علامۂ زماں وحید دوراں سید العلماء عمدۃ الاذکیا۔ حضرت مولانا محمد شاہ انور صاحب کشمیری سلمہ اللہ کے پاس شروع ہوئی۔ وہ درر فرائد جو حضور عالی کی زبان مبارک سے سلک نظم میں منظوم ہو کے نکلتے تھے، ہماری کم ہمتی سے منتشر ہو کر مخل ذہن سے نکلنے لگے۔ بنا بریں کم ترین، ہیچمد ان نے ارادہ کیا کہ حتی المقدور سلک تحریر میں لاؤں۔ اے خداوند! دعا ہے کہ میرا مقصود پورا کیجیے اور توفیق بخشیے! حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ (ماخوذ از: مقدمۂ امالی بہ زبان اردو)

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ سے علمی مسابقت

مولانا محمد ادریس کاندھلوی مولانا سلہٹیؒ کے خاص رفقا میں سے تھے۔ مظاہر علوم سہارن پور میں دونوں نے ساتھ پڑھا تھا۔ دوران تعلیم دونوں میں خوب مسابقت رہی۔ مولانا عبید الحق صاحب قدس سرہ نے اپنے فرزند مولانا عطاء الحق صاحب مدظلہ کو بتایا کہ ایک مرتبہ والد صاحب ایک کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے اور آنکھوں سے سیل اشک لگا تار موج زن۔ میں نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ یہ کتاب التعلیق الصبیح ہے، جو میرے دوست مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے لکھی ہے۔ دوران طالب علمی ہم دونوں میں خوب مسابقت چلتی۔ کبھی میں انہیں پچھاڑتا، کبھی وہ مات دے جاتے۔ آج وہ وہ مرکز میں ہیں اور التعلیق الصبیح جیسی شاہ کار کتاب لکھ ڈالی۔ ایک میں ہوں۔ مرکز سے کٹا ہوا اور دور افتادہ علاقے میں۔ میں ان جیسا کوئی کام نہ کر سکا۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی بارگاہ میں

تین بڑے اداروں سے استفادہ کرنے اور گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے کے ساتھ ہی اپنے باطن کی اصلاح کے لیے ملت کے عظیم مجدد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی بارگاہ میں تھانہ بھون جا پہونچے۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ دار العلوم دیوبند میں طالب علمی کا دور تھا۔ پھر ملاقات مسلسل ہوتی رہی۔ وہ وقت بھی آیا کہ حضرت تھانوی نے 1336ھ میں انہیں خلافت سے بھی نوازا۔ یعنی صرف ایک سال کے بعد حیرت ہے کہ ناچیز نے حضرت تھانوی کے خلفا کی فہرست میں ان کا نام نہیں پایا۔ بزم اشرف کے چراغ، اشرف السوانح اور دیگر کتب میں کہیں بھی ان کا ذکر نہیں، حالاں کہ ان کا خلیفہ ومجاز ہونا ثابت و محقق ہے، جیسا کہ حضرت تھانویؒ کی تحریر سے واضح ہے۔

حضرت تھانویؒ کے نام خط

مولانا سلہٹیؒ مرحوم نے طالب علمی کے دوران براہ راست ملاقات بھی رکھی اور خط وکتابت کا سلسلہ بھی۔ فراغت پا کر جب اپنے وطن پہونچے تو دید وشنید کا سلسلہ موقوف ہو گیا، مگر مراسلت جاری رہی۔ حضرت تھانویؒ کے نام ان کا یہ خط ملاحظہ فرمائیں، جو ان کے پوتے حضرت مولانا عطاء الحق سلہٹی صاحب مدظلہ کے وساطت سے خاکسار کو دستیاب ہوا ہے۔ اسی خط کے حاشیے پر انہوں نے خلافت کی تحریر بھی قلم

بندفرمائی:

بہ حضور اقدس حضرت مولائی مرشدی وسیلۃ یومی وغدی دامت انوارہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد بصد تمنائے قدم بوسی کے عرض ہے کہ مزاج مبارک سے حضور والا کے اور صحت و عافیت سے حضرت پیرانی صاحبہ مدظلہا کے اطلاع فرما کر کم ترین کو تسکین و تسلی بخشیں۔ دیگر حسب ارشاد حضور والا معمولات اپنے اپنے وقت میں بدستور کر رہا ہوں۔ اب کوئی حالت نہیں ہے، مگر ایک ہفتہ ہو گیا کہ اضطراری طور سے دل میں بہت غم و رنج پیدا ہو گیا کہ اب تک نہ قلب کا اصلاح ہوا اور نہ اخلاق درست ہوا۔ ہر چند کہ سمجھا تا ہوں کہ تمہیں فلاں فلاں عیب تھا، اب تو کم ہے، لیکن دل نہیں مانتا ہے۔ ہر وقت غمگین رہتا ہے۔ دیگر آج ہفتہ عشرہ سے اپنے اعمال روز و شب کا محاسبہ کر لیتا ہوں، یعنی دن کے اعمال کو بعد نماز مغرب کے اور رات کا بعد نماز صبح کے حساب کرتا ہوں۔ اس میں جو کچھ نیکی اور طاعت ہوا محض خدا کا فضل اور احسان جان کر شکر کرتا ہوں اور جو کچھ فضول حرکت اور غفلت ہوا ہے اس پر توبہ و استغفار کرتا ہوں۔ حضور کیا عرض کروں! محض ناکارہ ہوں۔ برائے خدا ایک نظر فرما، مستغنی شوم زابنائے جنس۔ جس کے متعلق جو کچھ مناسب ہو ارشاد فرما کر دستگیری فرماویں۔

زیادہ حد ادب۔

خاکسار ظہور الحق سلہٹی 2 / رجب المرجب سن 1336ھ

حضرت تھانویؒ کا جواب اور اجازت وخلافت

حضرت تھانویؒ ان دنوں پھوڑے سے پریشان تھے۔ آپریشن کی تجویز بھی سامنے آرہی تھی۔ اس مکتوب کے جواب میں پندرہویں صدی کے مجدد نے کیا کچھ لکھا، ملاحظہ فرمائیں:

مغموم نہ ہوں۔ میں آپ کی حالت کو قابل شکر سمجھتا ہوں اور اسی خیال پر آپ کو تعلیم و تلقین و بیعت کی اجازت دیتا ہوں۔ اللہ تعالی برکت فرمائے۔ آپ اپنا پتہ وطن کا، جس پتہ سے خط پہونچ سکے، ایک کارڈ پر لکھ کر بھیج دیں۔ میرا پتہ معلوم ہے۔

اشرف علی

پہلا زخم تقریباً اچھا ہو چلا، مگر اب شبہ دوسرے دنبل کا ہے۔ دوا ہو رہی ہے۔ دعا کیجیے، شگاف کی نوبت نہ آئے۔

حضرت تھانویؒ کا ایک دل چسپ واقعہ

مولانا مرحوم نے اپنے فرزند مولانا عبید الحق صاحب رحمہ اللہ کو حکیم الامت حضرت تھانوی کا ایک عجیب واقعہ سنایا۔ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ تھانہ بھون میری حاضری ہوئی۔ باجماعت نماز سے فراغت ہوئی تو حضرت تھانویؒ کے پیچھے ہی نفل کی نیت کر ڈالی۔ بعد میں حضرت نے ناراضگی جتاتے ہوئے کہا کہ ابھی تک تمہاری اصلاح نہیں ہوئی! تمہاری سزا یہ ہے کہ تم جلال آباد جاؤ اور اصلاح ہو جائے تو اس کا تصدیق نامہ مولانا مسیح اللہ خاں جلال آبادی سے لیتے آنا۔ چند دن کے لیے میں جلال آباد گیا اور اس وقت تک قیام کیا، جب تک کہ حضرت جلال آبادی نے تصدیق جاری نہیں کر دی۔ تصدیق نامہ لے کر میں تھانہ بھون پہونچا تو حضرت خوش ہوئے اور خانقاہ میں قیام کی اجازت مرحمت کی۔

مظاہر علوم سہارنپور و دیگر اداروں میں بہ حیثیت مدرس

تلمذ و تدرس اور تحصیل علم سے فراغت کے بعد مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں مدرس ہو گئے۔ تحقیق بسیار کے بعد بھی معلوم نہ ہو سکا کہ مظاہر میں ان کی خدمت تدریس کا دورانیہ کیا ہے؟ روداد مظاہر بھی اس ذکر سے خاموش ہے، بلکہ بہ حیثیت مدرس ان کا کہیں تذکرہ ہی نہیں ملتا۔ ممکن ہے کہ درمیان سال میں بہ طور مدرس آئے ہوں اور شعبان تک تدریس کے بعد پھر آمد نہ ہوئی ہو۔

بہر حال مظاہر کے بعد اپنے وطن لوٹ آئے اور اپنے گاؤں کے مدرسے میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر مدرسہ قاسم العلوم بیگم بازار ڈھاکہ میں کئی سال پڑھایا۔ دورۂ حدیث کی کتابیں ان سے متعلق رہیں۔ صحاح ستہ، مشکوٰۃ اور نخبۃ الفکر کے نمبرات سے ہی واضح ہے کہ حدیث اور علم حدیث سے ان کا شغف کیسا تھا۔ پھر علامہ کشمیریؒ اور علامہ عثمانیؒ جیسے عباقرۂ عصر نے ان کی اس قابلیت میں کتنی جلا پیدا کی ہوگی، ظاہر ہے۔ دورۂ حدیث کی کتابیں بڑے ذوق وشوق سے پڑھاتے رہے۔ اس سے علم حدیث میں ان کی حذاقت، استغراق اور امعان نظر خوب نمایاں ہے۔

ہفتہ واری مجلس اصلاح میں شرکت

درس وتدریس کے ساتھ عوام کی اصلاح وتربیت کے لیے دعوت وارشاد کا بھی کام انجام دینا بھی ان کا معمول رہا۔ حضرت تھانویؒ کے خلیفہ تو تھے ہی، عوام کی اصلاح وتزکیہ کے لیے ہفتہ واری مجلس قائم ہونے

لگی، جس میں ان کے مریدین اور محبین پابندی سے حاضر ہوتے۔ حضرت تھانوی کے مواعظ بغل میں دباتے اور مجلس وعظ میں اسی کو بنیاد بنا کر وعظ فرماتے۔ کبھی کبھی وہ کتاب ہی پڑھ کر سنا دیتے۔

عمل بالشریعت کا مکمل اہتمام

علامہ کشمیریؒ سے سلسلۂ تلمذ اور حضرت تھانویؒ سے بیعتِ سلوک نے در کفے جام شریعت، در کفے سندان عشق کا نمونہ بنا دیا تھا۔ ان کا ظاہر و باطن مجلّٰی و مصفّٰی ہو چکا تھا۔ ان کی زندگی پر علم اور عزیمت دونوں کا غلبہ تھا۔ وہ متبحر عالم، بالغ نظر محقق سچے مخلص اور صاحب ورع وتقوی تھے۔ اتباع سنت کے شیدائی وفدائی۔ خلاف شریعت چلنا ان کے یہاں متصور نہ تھا۔ ان کی رائے یہ تھی کہ گاؤں میں جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہوتی۔ اپنی اس رائے پر عمل کرتے ہوئے گاؤں میں نماز جمعہ سے ہمیشہ احتیاط کیا۔ دور دراز جا کر جمعہ کی نماز ادا کرتے، پھر اسی دن اپنے گاؤں لوٹ آتے۔ یہ فقہ اور دین کے معاملے میں ان کی بے انتہا احتیاط کا نتیجہ تھا۔

بدعات کے خلاف مولانا کی مہم جوئی

مولانا مرحوم غیرت دینی سے سرشار تھے۔ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے علم بردار، بدعات ورسومات کے خلاف شمشیر برہنہ۔ ان کے وطن باروٹھا کوری میں رسومات ومنکرات کا بڑا بول بالا تھا۔ پورا گاؤں ان نحوستوں سے شدید پابگل۔ موصوف کی کوششیں ان کے خلاف چلیں تو اہل بدعت ان کے بدترین دشمن ہو گئے۔ مولانا نے ان کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی اور اس کے سامنے ہی ایک دوسری مسجد بنا کر درس و تدریس شروع کر دی۔ ڈھاکہ تک کے طلبہ وہاں آتے اور ان کے سرچشمۂ علوم ومعارف سے اپنی تشنگی بجھاتے۔ ان کی متواتر محنتوں اور پیہم جاں فشانیوں سے بدعات کی کمر ٹوٹ گئی اور ان کا پورا گاؤں اہل سنت والجماعت کا ایک گہوارہ بن گیا۔

مٹی کا فرشتہ

حزم واحتیاط اور تقویٰ وطہارت قلب کا عالم یہ تھا کہ اجلاس میں شرکت کرتے تو اس کا کوئی ہدیہ قبول نہیں تھا۔ اپنا کھانا بھی ساتھ لے کر چلتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک معتقد کے اصرار پر کھانا کھا لیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی کسی نے بتایا کہ وہ پولیس افسر ہے تو اپنے حلق میں انگلی ڈال کر کھانے کی قے کر دی۔ ان کی اولوالعزمی دیکھ کر حضرت مولانا مسیح اللہ خاں جلال آبادیؒ فرماتے تھے کہ مولانا سلہٹی عزیمت کے پہاڑ

ہیں۔علامہ مشاہد علی بایم پوری اپنے عہد کے زبردست عالم تھے۔سلہٹ کے کنہی گھاٹ میں بایم پور ہے، وہیں کے باشندے تھے۔ایک عرصے تک بریلویت کے پیروکار رہے۔عقیدہ درست ہوا تو دار العلوم دیوبند پہونچے اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بخاری شریف پڑھی۔خرابیٔ عقائد کے دوران علامہ سلہٹی کے شدید مخالف تھے۔بعد میں جب ان کا سامنا ہوا تو ان کی رائے بدل گئی۔کہنے لگے کہ جو شخص مٹی سے تخلیق شدہ فرشتے کو دیکھنا چاہے تو وہ مولانا ظہور الحق صاحبؒ کو دیکھ لے۔

علامہ کشمیریؒ سے مولانا کا تعلق

مولانا مرحوم نے 1334ھ 1335ھ میں دورۂ حدیث پڑھا اور علامہ کشمیری سے بخاری شریف اور ابوداؤد شریف کا درس لیا۔امام کشمیریؒ کے دروس میں وہ مقناطیسیت تھی کہ طلبہ غیر حاضری کرنے کو گناہ عظیم تصور کرتے۔مولانا سلہٹی بھی انہیں تابندہ ستاروں میں سے تھے۔ہر سبق بڑے اہتمام سے سنتے اور بڑی سرعت سے لکھتے بھی۔کبھی کبھار علامہ کشمیریؒ سے استفسار کی ہمت بھی جٹا لیتے تھے۔فاقد الطہورین کا مسئلہ آیا تو شاہ صاحبؒ نے امام ابوحنیفہ کا موقف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسا شخص نماز کے وقت نمازیوں کی صورت اپناتے ہوئے مکمل نماز پڑھے گا،مگر قرأت نہیں کرے گا۔البتہ بعد میں ان نمازوں کی قضا کرنی پڑے گی۔پھر فرمایا کہ اس تشبہ کی کئی مثالیں شریعت میں ملتی ہیں۔مثلاً کوئی بچہ رمضان کے دن میں بالغ ہوگیا یا عورت حائضہ ہوگئی تو اسے بقیہ دن روزہ داروں کی صورت اپنانی پڑے گی۔اگرچہ اس کا روزہ نہیں ہوگا۔شاہ صاحبؒ کی تقریر جب مکمل ہوئی تو مولانا سلہٹی نے کیا سوال کیا اور کیا جواب ملا؟انہیں کے قلم سے سنیے:

باب فضل الوضوء میں جب استاذ تشبہ بالمصلین تک پہونچے اور تقریر ختم کی تو میں نے کہا استاذ محترم!قرأۃ عن التشبہ کی تخصیص کی وجہ کیا ہے؟تو استاذ محترم مدظلہ نے کہا کہ یہ رکن زائد ہے جو مقتدی سے بھی ساقط ہوجاتا ہے۔میں نے پھر سوال کیا کہ ارکان زائدہ میں تشبہ نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟تو فرمایا کہ میں فقہ کی تدریس کے لیے نہیں بیٹھا۔اگر تم چاہو تو فقہ کی کتاب دیکھ لو!یہ سن کر میں خاموش ہوگیا۔

علامہ کشمیریؒ سے بے پناہ عقیدت ومحبت

مولانا سلہٹی اپنے استاذ کو بڑے بلند الفاظ سے یاد کرتے ہیں،جن سے بے پناہ محبت کا اظہار ہوتا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

العلامۃ و الحبر القمقام الذی لا نظیر لہ بین الاقوام۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: قال الاستاذ نور اللہ قلبہ و جعلہ کالمرأۃ مشفۃ یری بہ کل شیئ و ینفع بہ المسلمین۔ (الامالی علی سنن ابی داؤد، فی المقدمۃ)

امام کشمیریؒ کا درس ابوداؤد

امام کشمیری نے سالہا سال ابوداؤد شریف کا درس دیا، چناں چہ اس ان دروس کی متعدد امالی وجود میں آ چکی ہیں، جن سے دنیائے علم وفضل سیراب ہورہی ہے۔ عرب وعجم میں ان کی دھوم ہے۔ انوارالمحمود اور انوار المسعو داسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ علامہ کا درس ابوداؤد بھی معروف شان کا حامل ہوتا۔ انفرادیت، عبقریت، تحقیق وتعمق سب کا نمونہ۔ وہ کوئی موقف قائم کرتے تو حوالوں کے ڈھیر لگا دیتے۔ ایسی ایسی کتابیں، جن کے نام سے بھی طلبہ کے کان بے گانہ و نا آشنا تھے۔ ان سے ان کی وسعت مطالعہ، علوم میں گیرائی و گہرائی اور نگاہ عمیق کا بھرپور مشاہدہ کیا جاتا۔ طلبہ اپنے اس جلیل استاذ کے دروس کو بڑے اہتمام سے سنتے اور قلم بند کرتے جاتے، جن کے ثمرات متعدد امالی کی شکل میں موجود ہیں۔

امالی علی سنن ابی داؤد

مولانا سلہٹیؒ علامہ کشمیریؒ کے دروس پر فدا تھے۔ اسباق سے شدید محبت کا عالم یہ تھا کہ انہوں نے ان کے اسباق قلم بند بھی کیے۔ بعد میں یہی اسباق دو ضخیم جلدوں میں اردن سے شائع ہوئے۔ ان کا نام امالی علی سنن ابی داؤد رکھا گیا۔ اس کتاب کی خصوصیات کیا کیا ہیں، انہیں درج ذیل عبارات میں ملاحظہ فرمائیں:

- امالی کی زبان عربی ہے۔ کہیں کہیں اردو کے کلمات بھی پائے جاتے ہیں۔
- علامہ سلہٹی حوالے خود نکالتے ہیں اور اپنے استاذ کے بیان کردہ حوالے پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ خود تحقیق بھی کرتے ہیں۔
- علامہ کشمیری کے دروس میں اختلاف کی جانب بھی اشارہ کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ استاد محترم نے سنن ابی داؤد میں اس مقام پر ایسا کہا تھا اور صحیح بخاری میں ایسا کہا ہے۔
- بعض اوقات تشریح کے دوران اپنے استاذ محترم کے کلام کے ساتھ دوسرے علما کے کلام کو بھی ملا دیتے ہیں۔
- یہ ابوداؤد شریف کی باقاعدہ شرح نہیں ہے، بلکہ صرف علامہ کشمیری کے دروس کو جمع کیا گیا ہے۔

یہ کتاب مکمل ابوداؤد کی شرح نہیں ہے، بلکہ باب النھی عنہ البیع فی المسجد تک کی شرح ہے۔اور یہ ابوداؤد کا ایک تہائی حصہ ہے۔اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ علامہ کشمیری نے درایت کے ساتھ اتنا ہی پڑھایا تھا اور کتاب کا بقیہ حصہ روایتاً مکمل کیا، یا یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ علامہ سلہٹی شاہ صاحب کی پوری تقریر نقل نہیں کرسکے۔

◆ علامہ سلہٹیؒ نے سنن ابی داؤد 35-1334ھ میں پڑھی اور یہ امالی اثنائے دروس میں لکھیں، البتہ اس کی تبییض بعد میں کی۔

◆ علامہ سلہٹیؒ نے اپنی کتاب کے شروع میں ایک مختصر سا مقدمہ لکھا جو بہ زبان اردو ہے اور یہ مقدمہ ڈیڑھ صفحے تک محدود ہے۔خاکسار نے ان کی اس تحریر کی زیارت کی ہے۔وہ بھی ان کے طالب علمانہ خط میں۔پھر ایک دوسرا مقدمہ بہ زبان عربی لکھا۔یہ بھی مختصر ہی ہے۔ناچیز اس کی زیارت سے بھی مشرف ہو چکا ہے۔مقدمے میں انہوں نے اپنی سند بیان کی ہے علامہ کشمیری کی طریق سے اور شیخ الہند کے طریق سے۔

◆ علامہ سلہٹی نے 20 / مقامات پر اپنے استاذ کے اسم گرامی کے ساتھ مدظلہ العالی لکھا اور 195 مقامات پر قدس سرہ لکھا۔اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ جس وقت یہ امالی لکھی جارہی تھیں اس وقت علامہ کشمیریؒ بہ قید حیات تھے اور جب ان کی تبییض کا مرحلہ شروع ہوا تو اس وقت علامہ کی وفات ہو چکی تھی۔تو سلہٹی صاحبؒ نے بعض مقامات پر مدظلہ رہنے دیا اور بقیہ مقامات پر قدس سرہ لکھ دیا۔

◆ علامہ سہلٹی نے بعض مقامات پر بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، جیسے باب کراھیۃ استقبال القبلۃ عند قضاء الحاجۃ اور باب فرض الوضوء وغیرہ۔علامہ سلہٹی نے دوسری کتب کے دروس کو بھی یہاں جمع کیا، جیسے علامہ کشمیریؒ بخاری پڑھاتے تھے اور وہاں انہوں نے کوئی بات ارشاد فرمائی تو اس کو بھی انہوں نے ان امالی میں لے لیا۔

◆ یہ امالی فل اسکیپ 300 / صفحات پر مشتمل ہے۔اس کا ہر صفحہ تقریباً 25 / سطروں کا ہے۔

◆ یہ کتاب دو جلدوں میں چھپ چکی۔اس کی اشاعت دار الفتح اردن، عمان سے ہوئی۔اس میں حسب ضرورت احادیث کی تخریج، حوالے، حواشی اور نسخے کی تصحیح کا اہتمام کیا گیا ہے۔مولانا کی اہلیہ کے بھتیجے مولانا محفوظ احمد سلہٹی صاحب زید مجدہم نے اپنی تحقیق سے 1444ھ میں شائع کیا ہے۔

مولانا کی شادی واولاد

مولانا کی شادی اپنی پھوپھی زاد بہن سے ہوئی۔ان کے تین صاحب زادے ہوئے۔ان میں سے

ایک مولانا احمد الحق صاحبؒ تھے، دوسرے مولانا عبید الحق صاحبؒ اور تیسرے مولانا عبد الحق صاحبؒ۔ اور تینوں کے تینوں فاضل دار العلوم دیو بند ہوئے۔ مولانا عبید الحق صاحبؒ نے دار العلوم کراچی میں ایک سال پڑھایا۔ بڑے کامیاب اور بافیض مدرس تھے۔ مسجد بیت المکرم ڈھاکہ کے تیسرے خطیب بھی بنے اور سب سے طویل عرصے تک یہ منصب انہوں نے سنبھالا۔ بنگلہ دیش کی سیاست میں بھی ان کا بڑا نام تھا۔ 1928 میں پیدا ہوئے اور 2007 میں وفات پائی۔ ان کے گھر کے سامنے ایک مدرسہ تھا، جس میں یہ تینوں بھائی پڑھاتے تھے۔ اسی ادارے میں حضرت سلہٹی کے ایک بھتیجے بھی پڑھاتے تھے، جن کا نام مولانا عبداللہ صاحب تھا۔ مولانا مرحوم کے گھرانے میں حفاظ وعلما کی کثرت تھی۔ اس سے علم دین سے ان کی بے پناہ محبت آشکارا ہوتی ہے۔ ان کی پوری زندگی اسلام اور دین کی نشر واشاعت میں گزری۔

وفات حسرت آیات

مولانا مرحوم اپنی حیات مستعار اسلامی تقاضوں کے مطابق گزار رہی رہے تھے کہ تپ دق کی مہلک بیماری نے ان کے کاروانِ زندگی پر یک لخت بریک لگا دی۔ ان کا رخش عمر صرف 57 / سال کی بہاروں میں ہی تگ وتاز کر سکا اور 1366ھ مطابق 1946 میں ان کا وصال ہو گیا۔ ٹی بی کا مرض موت کی وجہ بن گیا۔ سال بھر سے زائد صاحب فراش رہے۔ صاحب زادے مولانا عبید الحق صاحب اس وقت دار العلوم دیو بند میں پڑھتے تھے۔ موت کے وقت وصیت کر دی کہ عبید الحق کو خبر مت کرنا، ورنہ وہ آجائے گا اور اس کی تعلیم کا حرج ہوگا۔ لیکن عجیب اتفاق کہ انہیں سختیٔ مرض کی کیسے کیسے خبر ہو گئی اور وہ وطن کے لیے روانہ ہو گئے۔ دیو بند سے بنگا بذریعہ ٹرین پہونچے۔ اس وقت یہ کرایہ 58 / روپے تھا۔ گھر پہونچے تو والد صاحب ان کے سامنے فوت ہوئے۔ صد آہ کہ علم وعمل کا یہ کوہ نور اپنے وطن کے گورستان میں ہی ہمیشہ کے لیے چھپا دیا گیا:

کتنی مشکل زندگی ہے، کس قدر آساں ہے موت

……✦……

جنگ آزادی میں مسلمانوں کا کردار

محمد احمد ابن مولانا محمد شفیع قاسمی، بھٹکل

ہندوستان کو طویل جدوجہد کے بعد آزادی کی نعمت حاصل ہوئی، جس کے لیے ہمارے اسلاف نے زبردست قربانیوں کا نذرانہ پیش کیا، جان ومال کی قربانیاں دیں، تحریکیں چلائیں تختۂ دار پر چڑھے، پھانسی کے پھندے کو جرات وحوصلہ اور کمال بہادری کے ساتھ بخوشی گلے لگایا، قیدوبند کی صعوبتیں جھلیں اور حصولِ آزادی کی خاطر میدان جنگ میں نکل پڑے، آخر غیر ملکی (انگریز) ملک سے نکل جانے پر مجبور ہوئے۔

غیر ملکی حکمرانوں نے اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے طرح طرح کی چالیں چلیں، تدبیریں کیں، رشوتیں دیں، لالچ دیئے، پھوٹ ڈالوں اور حکومت کرو کا اصول بڑے پیمانے پر اختیار کیا، فرقہ وارانہ اختلافات پیدا کیے، حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا، آپس میں غلط فہمیاں پھیلائیں، تاریخ کو مسخ کیا، انگریزوں نے ہندوستان کے معصوم باشندوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے اور ناحق لوگوں کو تختۂ دار پر لٹکایا، ہندوستانیوں پر ناحق گولیاں چلائیں، چلتی ریلوں پر سے اٹھا کر باہر پھینکا؛ مگر ان کے ظلم وستم کو روکنے اور طوقِ غلامی کو گردن سے نکالنے کے لیے بہادر مجاہدین آزادی نے ان کا مقابلہ کیا اور ملک کو آزاد کر کے ہی اطمینان کا سانس لیا۔

ہندوستان کی تحریک آزادی میں مسلمانوں کا حصہ قدرتی طور پر بہت ممتاز ونمایاں رہا ہے، انھوں نے جنگ آزادی میں قائد اور رہنما کا پارٹ ادا کیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ انگریزوں نے اقتدار مسلم حکمرانوں سے چھینا تھا، اقتدار سے محرومی کا دکھ اور درد مسلمانوں کو ہوا، انھیں حاکم سے محکوم بننا پڑا، اس کی تکلیف اور دکھ انھیں جھیلنا پڑا، اسی لیے محکومیت وغلامی سے آزادی کی اصل لڑائی بھی انھیں کو لڑنی پڑی۔

انگریزوں سے باقاعدہ منظم جنگ نواب سراج الدولہ کے نانا علی وردی خان نے 1754ء میں کی اوران کو شکست دی، کلکتہ کا ڈائمنڈ ہاربر Diamond Harbour اور فورٹ ولیم Fort William انگریزوں کا مرکز تھا، علی وردی خان نے فورٹ ولیم پر حملہ کر کے انگریزوں کو بھگایا، انگریز ڈائمنڈ ہاربر میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ اسے پہلی منظم اور مسلح جنگ آزادی قرار دیا جاسکتا ہے۔ علی

وردی خان کے بعد ان کے نواسہ نواب سراج الدولہ حاکم ہوئے اور اس خطرہ کو محسوس کیا کہ انگریز ان کے ملک پر آہستہ آہستہ حاوی ہو رہے ہیں اور ان کو ملک سے نکالنا ضروری ہے۔ اس نے حوصلہ اور ہمت سے انگریزوں کو شکست دینا چاہا؛ مگر انکا دربار سازشوں کا اڈہ بن گیا تھا؛ اس لیے انہیں شکست ہوئی اور 1757ء میں برٹش فوج نے ان کے دارالسلطنت مرشدآباد میں انھیں شہید کر دیا۔ تاریخ کے صفحات میں پلاسی کی جنگ 1757ء اور بکسر کی جنگ 1764 کی تفصیل موجود ہے، یہ جنگ بھی ہندوستانیوں کی شکست پر ختم ہوئی، اس کے بعد انگریز بنگال، بہار اور اوڑیسہ پر پوری طرح حاوی ہو گئے۔

جنگِ آزادی میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کا کردار

دکن فرماں روا حیدر علی (م1782ء) اور ان کے صاحبزادہ ٹیپو سلطان کے ذکر کے بغیر جنگ آزادی کی تاریخ ادھوری ہوگی، جو مستقل انگریزوں کے لیے چیلنج بنے رہے، حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے انگریزوں سے چار جنگیں کیں، ٹیپو سلطان 1782ء میں حکراں ہوئے، 1783ء میں انگریزوں سے ٹیپو کی پہلی جنگ ہوئی اور انگریزوں کو شکست ہوئی۔ یہ جنگ 1784ء میں ختم ہوئی، یہ میسور کی دوسری جنگ کہلاتی ہے۔ انگریز اپنی شکست کا انتقام لینے کے لیے بے چین تھے؛ چنانچہ 1792ء میں انگریزوں نے اپنی شکست کا انتقام لیتے ہوئے حملہ کیا؛ مگر اپنے بعض وزراء وافسران کی بے وفائی اور اپنی ہی فوج کی غداری اور اچانک حملہ کی وجہ سے ٹیپو معاہدہ کرنے پر مجبور ہوئے۔ ٹیپو کو بطور تاوان تین کروڑ روپئے، نصف علاقہ اور دو شہزادوں کو بطور یرغمال انگریزوں کو دینا پڑا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’سب سے پہلا شخص جس کو اس خطرہ کا احساس ہوا وہ میسور کا بلند ہمت اور غیور فرمانروا فتح علی خان ٹیپو سلطان (۱۳۱۳ھ ۱۷۹۹ء) تھا، جس نے اپنی بالغ نظری اور غیر معمولی ذہانت سے یہ بات محسوس کر لی کہ انگریز اسی طرح ایک ایک صوبہ اور ایک ایک ریاست ہضم کرتے رہیں گے اور اگر کوئی منظم طاقت ان کے مقابلہ پر نہ آئی تو آخر کار پورا ملک ان کا لقمہ تر بن جائے گا؛ چنانچہ انھوں نے انگریزوں سے جنگ کا فیصلہ کیا اور اپنے پورے ساز وسامان، وسائل اور فوجی تیاریوں کے ساتھ ان کے مقابلہ میں آ گئے‘‘۔

ٹیپو سلطان کی جدوجہد اور اولوالعزمی

ٹیپو نے ہندوستان کے راجوں، مہاراجوں اور نوابوں کو انگریزوں سے جنگ پر آمادہ کرنے کی کوشش

کی، اس مقصد سے انھوں نے سلطان ترکی سلیم عثمانی، دوسرے مسلمان بادشاہوں اور ہندوستان کے امراء اورنوابوں سے خط وکتابت کی اور زندگی بھر انگریزوں سے سخت معرکہ آرائی میں مشغول رہے، قریب تھا کہ انگریزوں کے سارے منصوبوں پر پانی پھر جائے اور وہ اس ملک سے بالکل بے دخل ہوجائیں؛ مگر انگریزوں نے جنوبی ہند کے امراء کو اپنے ساتھ ملالیا اور آخر کار اس مجاہد بادشاہ نے ۴/مئی ۱۷۹۹ء کو سرنگا پٹنم کے معرکہ میں شہید ہوکر سرخروئی حاصل کی، انھوں نے انگریزوں کی غلامی اور اسیری اور ان کے رحم وکرم پر زندہ رہنے پر موت کو ترجیح دی، ان کا مشہور تاریخی مقولہ ہے کہ ''گیڈر کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے''۔ جب جرنل HORSE کو سلطان کی شہادت کی خبر ملی تو اس نے ان کی نعش پر کھڑے ہوکر یہ الفاظ کہے کہ: آج سے ہندوستان ہمارا ہے۔'' (ہندوستانی مسلمان ص ۱۳۷)

جنگ آزادی میں شاہ ولی اللہ اور انکے شاگردوں کا کردار

ٹیپو سلطان کی شہادت نیز ہزاروں افراد کے قتل کے بعد ملک میں برطانوی اثرات بڑھتے چلے گئے، انگریز سیاسی اثرات بڑھانے کے ساتھ ساتھ مشنری ورک بھی کررہے تھے، اس زمانہ میں دینی مدارس بڑی تعداد میں تباہ کیے گئے، ان کوششوں کے ساتھ ساتھ دہلی میں ایک تحریک وجود میں آئی، جس کے بانی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (م 1762ء) تھے، ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ (م 1824ء) نے اپنے والد کی تحریک کو بڑھایا، وہ انگریزوں کے سخت خلاف تھے۔ انہوں نے 1803ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا مشہور فتوی دیا، جس میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا گیا اور سید احمد شہید رائے بریلوی رحمہ اللہ کو لبریشن موومنٹ کا قائد مقرر کیا۔ 1831ء میں سید احمد شہید رحمہ اللہ اور شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ بالاکوٹ میں اپنے بے شمار رفقاء کے ساتھ اس ملک کے انسانوں کو آزادی دلانے کے لیے انگریزوں اور ان کے اتحادی سکھ ساتھیوں کے خلاف جہاد میں شہید ہوئے؛ لیکن یہ تحریک چلتی رہی، مولانا نصیرالدین دہلوی رحمہ اللہ نے قیادت کی ذمہ داری سنبھالی۔ 1840ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ انکے بعد مولانا ولایت علی عظیم آبادی رحمہ اللہ (م 1852ء) اور ان کے بھائی مولانا عنایت علی عظیم آبادی (م 1858ء) نے اس تحریک کو زندہ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس طرح یہ جہاد کا قافلہ برابر رواں دواں رہا؛ حتیٰ کہ سن ستاون 1857ء تک لے آیا۔ علماء کی اس تحریک کو انگریزوں نے وہابی تحریک کے نام سے مشہور کیا جو نجد کے محمد بن عبدالوہاب نامی عالم کے نظریات پر مبنی تھی؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک کے اکثر افراد ہندوستان ہی کے مشہور عالم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

رحمہ اللہ کے تربیت یافتہ تھے، اور یہ تحریک انھیں کے نظریات پر مبنی تھی؛ اس لیے اسے ’’ولی اللّٰہی‘‘ تحریک کا نام دیا جانا چاہیے۔

انگریزوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے میں علماء کرام کی خدمات

1857ء میں شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ اور شاہ اسحاق محدث دہلوی رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں کی محنت رنگ لائی، اور 1857ء میں علماء کرام کی ایک جماعت تیار ہوئی۔ ان میں مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی رحمہ اللہ، مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمہ اللہ، مولانا فضلِ حق خیرآبادی، رحمہ اللہ مولانا سرفراز رحمہ اللہ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ، مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ، مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ، حافظ ضامن شہید رحمہ اللہ اور مولانا منیر نانوتوی رحمہ اللہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ غدر کے زمانہ میں مولانا فضل حق خیرآبادی رحمہ اللہ نے انگیریزوں کے خلاف فتوی مرتب کرایا جس پر علماء دہلی سے دستخط لیے گئے، اور یہی فتوی مولانا کی گرفتاری کا سبب بنا، جب مولانا پر مقدمہ چلا اور جہاد کے فتوی کی عدالت نے تصدیق چاہی، تو مولانا نے کھل کر کہا کہ فتوی میرا ہی مرتب کیا ہوا ہے۔ 1857ء کے زمانہ میں مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی رحمہ اللہ سپہ سالار کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ ہومز لکھتا ہے: ’’مولوی احمد اللہ شاہ شمالی ہند میں انگریزوں کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ 1865ء میں مولانا احمد اللہ عظیم آبادی رحمہ اللہ، مولانا یحییٰ علی رحمہ اللہ، مولانا عبدالرحیم صادق پوری رحمہ اللہ، مولانا جعفر تھانیسری رحمہ اللہ کو انڈمان بھیج دیا گیا جو کالا پانی کہلاتا ہے۔ اسی زمانہ میں مولانا فضل حق خیرآبادی رحمہ اللہ، مفتی احمد کاکوروی رحمہ اللہ اور مفتی مظہر کریم دریابادی رحمہ اللہ کو بھی انڈمان روانہ کیا گیا، جن میں مولانا احمد اللہ عظیم آبادی رحمہ اللہ، مولانا یحییٰ علی رحمہ اللہ، اور مولانا فضل حق خیرآبادی رحمہ اللہ وغیرہم کا وہیں انتقال ہوگیا۔ مولانا عبدالرحیم صادق پوری رحمہ اللہ اور مولانا جعفر تھانیسری رحمہ اللہ اٹھارہ سال کی قید بامشقت اور جلاوطنی کے بعد 1883ء میں اپنے وطن واپس ہوئے۔ مولانا جعفر تھانیسری رحمہ اللہ اپنی کتاب کالا پانی میں تحریر فرماتے ہیں:

’’ہمارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، پیروں میں بیڑیاں، جسم پر جیل کا لباس اور کمر پر لوہے کی سلاخیں تھیں۔ انگریز ہم تین علماء کے لیے خاص لوہے کے قفس تیار کروائے اور ہمیں ان میں ڈال دیا۔ اس پنجرے میں لوہے کی چونچ دار سلاخیں بھی لگوائیں، جس کی وجہ سے ہم نہ سہارا لے سکتے تھے، نہ بیٹھ سکتے تھے۔ ہماری آنکھوں سے آنسوں اور پیروں سے خون بہہ رہے تھے۔ غدر کے ملزمان انگریزوں کی نگاہ میں اتنے بڑے مجرم سمجھے گئے کہ غدر 1857ء میں پکڑے گئے لوگوں کو یا تو سرعام پھانسی دیدی گئی یا بہت سے

لوگوں کو اسی جزیرے انڈمان میں موت سے بدتر زندگی گذارنے کے لیے بھیجا گیا۔مولانا جعفر تھانیسری رحمہ اللہ نے جزیرہ انڈمان کی زندگی پر بہت ہی مفصل آپ بیتی ''کالا پانی'' کے نام سے لکھی ہے۔تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں!

جنگ آزادی میں علماء دیو بند کا کردار

1857ء میں شاملی ضلع مظفرنگر کے میدان میں علماء دیو بند نے انگریزوں سے باقاعدہ جنگ کی،جس کے امیر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ مقرر ہوئے۔اور اس کی قیادت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ ، مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ ، اور مولانا منیر نانوتوی رحمہ اللہ کررہے تھے۔ اس جنگ میں حافظ ضامن رحمہ اللہ شہید ہوئے،مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ انگریزوں کی گولی لگ کر زخمی ہوئے،انگریزی حکومت کی طرف سے آپ کے نام وارنٹ رہا؛لیکن گرفتار نہ ہو سکے، 1880ء میں وفات پائی،دیو بند میں قبرستان قاسمی میں آسودۂ خواب ہیں۔حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ ان حالات میں ملک میں رہ کر اب اپنے مشن کو برقرار رکھنا ممکن نہیں، مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے۔وہاں سے انھوں نے اپنے مریدین ومتوسلین کے ذریعہ ہندوستان میں اپنے ہدایت وفیض کا سلسلہ جاری رکھا۔1899ء میں وفات پائی اور جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے۔مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کو گرفتار کیا گیا اور سہارنپور کے قید خانہ میں رکھا گیا، پھر کچھ دن کال کوٹھری میں رکھ کر مظفر نگر کے قید خانہ میں منتقل کیا گیا۔ چھ ماہ تک آپ کو قید و بند کی مصیبتیں جھیلنی پڑی۔1905ء میں وفات پائی۔گنگوہ کی سرزمین میں آسودہ خواب ہیں۔1857ء کی جنگ میں مسلمانوں کو بظاہر شکست ہوئی،مگر یہ شکست نہیں، فتح تھی۔ 1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے اسلام پر حملہ کیا اسلامی عقائد،اسلامی فکر اور اسلامی تہذیب کو ہندوستان سے ختم کرنے کا فیصلہ کیا، یہاں سے انگریزوں کا زوال شروع ہوا،حکومت برطانیہ کا لارڈ میکالے جب وایسرائے بن کر آیا تو اس نے مغربی تہذیب اور مغربی فکر،نصرانی عقائد قائم کرنے کا ایک پروگرام بنایا،اس نے کہا:

''میں ایک ایسا نظام تعلیم وضع کر جاوں گا جو ایک ہندوستانی مسلمان کا جسم تو کالا ہو گا مگر دماغ گورا یعنی انگریز کی طرح سوچے گا''۔

ہندوستان میں اسلام کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے چند شخصیات کو پیدا کیا،ان میں سے ایک اہم شخصیت حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی تھی،اس زمانہ میں اسلام کی بقاء، اسلامی عقائد،اسلامی فکر اور اسلامی تہذیب کی حفاظت کے لیے حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ

نے ایک تحریک چلائی، جس کو تحریک دیوبند کہا جاتا ہے، جگہ جگہ مدرسہ قائم کیے، اس مقصد کے لیے انھوں نے اپنے رفقاء (حاجی عابد حسین دیوبندی رحمہ اللہ، مولانا ذولفقار علی دیوبندی رحمہ اللہ، مولانا فضل الرحمن عثمانی رحمہ اللہ اور مولانا رفیع الدین رحمہ اللہ وغیرہم) کی مدد سے 15 محرم 1283ھ مطابق 30 مئی 1866ء جمعرات کے دن ضلع سہارنپور میں واقع دیوبند نامی مقام پر ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی؛ تاکہ یہ مسلمانوں میں نظم پیدا کرے، جوان کو اسلام اور مسلمانوں کی اصل شکل میں قائم رکھنے میں معین ہو، ایشیا کی اس عظیم درسگاہ کا آغاز دیوبند کی ایک مسجد (چھتہ مسجد کے صحن میں انار کے درخت کے سایہ میں ایک استاد (ملا محمود) اور ایک طالب علم (محمود حسن) سے ہوا جو بعد میں ''از ہر ہند'' کہلائی اور جسے دارالعلوم دیوبند کے نام سے شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی، بقول حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ ''دارالعلوم دیوبند ہندوستان میں بقاء اسلام اور تحفظِ علم کا ذریعہ ہے''۔

انڈین نیشنل کانگریس کا قیام اوراس میں مسلمانوں کا حصہ

1884ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا، جس میں بعض ممتاز اہل علم واہل فکر مسلمان بھی شریک تھے، اور اس کا قیام 1885ء میں عمل میں آیا۔ اس کے بانیوں میں مسلمان بھی شامل تھے، جن کے نام بدرالدین طیب جی اور رحمت اللہ سیانی تھے، کانگرس کا چوتھا اجلاس 1887ء میں مدراس میں ہوا، جس کی صدارت بدرالدین طیب جی نے کی۔

جنگ آزادی میں دارالعلوم دیوبند کا کردار

جنگ آزادی میں اکابر دیوبند (حاجی امداللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ ،مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ ، مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ) اور فرزندان دارالعلوم دیوبند (شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ، مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ، مولانا عزیز گل پیشاوری رحمہ اللہ، مولانا منصور انصاری رحمہ اللہ، مولانا فضل ربی رحمہ اللہ، مولانا محمد اکبر رحمہ اللہ، مولانا احمد چکوالی رحمہ اللہ، مولانا احمد اللہ پانی پتی رحمہ اللہ، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمہ اللہ وغیرہم) کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ 1912ء میں ریشمی رومال تحریک کی ابتداء ہوئی، جس کے بانی فرزندِ اول دارالعلوم دیوبند تھے، جن کو دنیا شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ کے نام سے جانتی ہے، بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ: ''آپ (شیخ الہند) انگریزی حکومت اور اقتدار کے سخت ترین مخالف تھے، سلطان ٹیپو

کے بعد انگریزوں کا ایسا دشمن اور مخالف دیکھنے میں نہیں آیا‘‘۔اس تحریک میں اہم رول آپ کے شاگرد مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ نے ادا کیا، افغانستان کی حکومت کو مدد کے لیے تیار کرنا اور انگریزوں کے خلاف رائے عامہ بنانا مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کا مشن تھا۔شیخ الہند رحمہ اللہ کے نمائندے ملک کے اندر اور ملک کے باہر سرگرم اور فعال تھے، افغانستان، پاکستان، صوبہ سرحد اور حجاز کے اندر قاصد کا کام کررہے تھے، خلافتِ عثمانیہ کے ذمہ داروں سے مثلاً انور پاشاہ وغیرہ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی، اور ترکی جانے کا شیخ الہند نے خود عزم مصمم کرلیا تھا، اس مقصد کے لیے پہلے وہ حجاز تشریف لے گئے اور وہاں تقریباً دوسال قیام رہا، اس اثنا میں دو حج کیے، مکہ مکرمہ پہنچ کر حجاز میں مقیم ترک گورنر غالب پاشا سے ملاقاتیں کیں، اور ترکی کے وزیر جنگ انور پاشا سے بھی ملاقات کی، جوان دنوں مدینہ آئے ہوئے تھے، انھیں ہندوستان کی صورت حال سے آگاہ کیا اور اپنے منصوبہ سے واقف کرایا، ان دونوں نے شیخ الہند رحمہ اللہ کے خیالات سے اتفاق کرتے ہوئے، ان کے منصوبے کی تائید کی اور برطانوی حکومت کے خلاف اپنے اور اپنی حکومت کے تعاون کا یقین دلایا، مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ نے کابل سے ریشمی رومال پر جوراز دارانہ خطوط شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کو مکہ مکرمہ روانہ کیے تھے، ان کو حکومت برطانیہ کے لوگوں نے پکڑ لیا، یہی شیخ الہند رحمہ اللہ کی گرفتاری کا سبب بنی اور پورے منصوبے پر پانی پھیر دیا۔ 1916ء میں شریف حسین کی حکومت نے ان کو مدینہ منورہ میں گرفتار کرکے انگریزی حکومت کے حوالہ کردیا۔شریف حسین نے خلافت عثمانیہ کے خلاف بغاوت اور غداری کی تھی، وہ برطانوی حکومت کا وفادار دوست تھا اور خلافت عثمانیہ اور مسلمانوں کی تحریک آزادی کا شدید مخالف تھا۔ 1917ء میں شیخ الہند رحمہ اللہ اور ساتھوں کو بحیرۂ روم میں واقع جزیرہ مالٹا جلاوطن کیا گیا۔ مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، مولانا عزیز گل پیشاوری رحمہ اللہ، مولانا حکیم نصرت حسین رحمہ اللہ، مولانا وحید احمد رحمہ اللہ وغیرہم نے مدتوں اپنے استاذ شیخ الہند رحمہ اللہ کے ساتھ مالٹا کے قید خانہ میں سختیاں برداشت کیں، مالٹا کے قید خانہ میں انگریزوں نے شیخ الہند رحمہ اللہ کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کیا، سخت سے سخت سزائیں دی گئیں؛ چنانچہ مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب شیخ الہند رحمہ اللہ کو مالٹا جیل میں نظر بند کیا گیا تو انگریز میرے استاد کو ایک تہہ خانہ میں لے گئے اور لوہے کی گرم تپتی ہوئی سلاخیں لے کر کمر پر لگاتے رہے اور ساتھ میں یہ فرماتے رہے کہ ’’اے محمود حسن! انگریز کے حق میں فتوی دے‘‘ جب شیخ الہند رحمہ اللہ ہوش میں آتے تو صرف یہی فرماتے تھے کہ ’’اے انگریز! میرا جسم پگھل سکتا ہے، میں بلال کا وارث ہوں، میری جلد ادھیڑ سکتی ہے؛ لیکن میں ہرگز ہرگز تمہارے حق میں فتوی نہیں دے سکتا۔‘‘ شیخ الہند کی تحریک میں مولانا منصور انصاری رحمہ اللہ،

مولانا فضل ربی رحمہ اللہ، مولانا فضل محمود رحمہ اللہ، مولانا محمد اکبر رحمہ اللہ کا شمار اہم ارکان میں تھا۔ مولانا عبدالرحیم رائے پوری رحمہ اللہ ، مولانا محمد احمد چکوالی رحمہ اللہ ، مولانا محمد صادق کراچوی رحمہ اللہ ، شیخ عبدالرحیم سندھی ، مولانا احمداللہ پانی پتی ، ڈاکٹر احمد انصاری وغیرہ سب مخلصین بھی مخلصانہ تعلق رکھتے تھے، ان کے علاوہ مولانا محمد علی جوہر رحمہ اللہ، مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ، مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ ،حکیم اجمل خان وغیرہ بھی آپ کے مشیر ومعاون تھے۔

1919ء میں جمعیت علماء ہند کا قیام عمل میں آیا، جس کے بنیادی ارکان میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ، مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا ابوالمحاسن سجاد، مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمہ اللہ، مولانا احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ، مولانا سید محمد میاں دیوبندی رحمہ اللہ جیسے دانشوران قوم تھے۔ شیخ الہند رحمہ اللہ کی رہائی کے بعد سب سے پہلے 29 جولائی 1920ء کو ترکِ موالات کا فتوی شائع کیا گیا۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے جاں نثار شاگرد مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے آپ کے اس مشن کو جاری رکھا، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد 1940ء سے تادم آخیر جمعیت علماء ہند کے صدر رہے، کئی بار برطانوی عدالتوں میں پھانسی کی سزا سے بچے، آپ انگریزوں کی حکومت سے سخت نفرت رکھتے تھے، آپ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث کے منصب پر بھی فائز تھے۔ آزادی کے بعد اصلاحی کاموں میں مصروف ہوگئے، دینی خدمت وتزکیہ نفوس کے مقدس مشن میں لگے رہے، 5 دسمبر 1957ء میں وفات پائی، دیوبند میں قبرستان قاسمی میں آسودہ خواب ہیں۔

تحریک خلافت اور ہندو مسلم اتحاد

1919ء میں جلیاں والا باغ سانحہ جس میں کئی افراد ہلاک ہوئے، انھیں ایام میں تحریکِ خلافت وجود میں آئی، جس کے بانی مولانا محمد علی جوہر تھے، اس تحریک سے ہندو مسلم اتحاد عمل میں آیا۔ گاندھی جی، علی برادران (مولانا محمد علی جوہر و مولانا شوکت علی) اور مسلم رہنماؤں کے ساتھ ملک گیر دورہ کیا، اس تحریک نے عوام اور مسلم علماء کو ایک پلیٹ فارم پر کھڑا کر دیا، جن میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ، مولانا عبدالباری فرنگی محلی رحمہ اللہ، مولانا آزاد سبحانی، مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ، مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ ، مولانا سید محمد فاخر، مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ ، مولانا احمد سعید دہلوی وغیرہم شریک

تھے، الغرض ہندوستان کے اکابر علماء نے سالہا سال کے اختلافات کونظر انداز کر کے تحریکِ خلافت میں شانہ بشانہ کام کیا۔ 1931ء میں مولانا محمد علی جوہر گول میز کانفرنس (Round Table Conference) لندن میں شرکت کے لیے گئے اور وہیں انتقال کر گئے، حکومت نے اپنے خرچ پر انکی لاش کو بیت المقدس بھیجا، اسی مقدس سرزمین میں آسودۂ خواب ہیں۔

تحریکِ ترک موالات

1920ء میں گاندھی جی اور مولانا ابوالکلام آزاد نے غیر ملکی مال کے بائیکاٹ اور نان کوآپریشن (ترک موالات) کی تجویز پیش کی، یہ بہت کارگر ہتھیار تھا، جو اس جنگ آزادی اور قومی جدوجہد میں استعمال کیا گیا، انگریزی حکومت اس کا پورا پورا نوٹس لینے پر مجبور ہوئی اور اس کا خطرہ پیدا ہوا کہ پورا ملکی نظام مفلوج ہو جائے اور عام بغاوت پھیل جائے، آثار انگریزی حکومت کے خاتمہ کی کی پیشینگوئی کر رہے تھے۔ (ہندوستانی مسلمان، ص ۱۵۷)

1921ء میں موپلا بغاوت، 1922ء میں چوراچوری میں پولیس فائرنگ، 1930ء میں تحریک سول نافرمانی ونمک آندولن، 1942ء میں ہندوستان چھوڑو تحریک (Quit India Movement)، 1946ء میں ممبئی میں بحری بیڑے کی بغاوت کی حمایت میں ہونے والے مظاہروں پر پولیس فائرنگ کے دوران ہزاروں مسلمان شہید ہوئے۔ انگریزوں کی قید وبند کے مصائب جھیلنے اور انکی گولیوں کا نشانہ بننے والوں کی تعداد تو شمار سے باہر ہے۔ عام مسلمانوں کے علاوہ شہید علماء کی تعداد بیس ہزار سے پچاس ہزار تک بتائی جاتی ہے؛ مگر ان اہم لیڈروں اور ان اہم واقعات کے بغیر پوری تاریخ ادھوری اور حقیقت سے کوسوں دور ہے، جن میں مذکورہ بالا شخصیتوں کے علاوہ بہادر شاہ ظفر، بیگم محل، نواب مظفر الدولہ، امام بخش صہبائی، مولانا برکت اللہ بھوپالی، مولانا حسرت موہانی، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولانا مظہر الحق، ڈاکٹر سید محمود وغیرہم نے جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ ان کے علاوہ بھی ایک بڑی تعداد کا ذکر تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے؛ جس کی یاد دلوں میں تازہ اور تاریخ کی نئی کتابوں میں محفوظ رہنی چاہیے؛ غرض ہر طرح ہر موقع پر مسلمان جنگِ آزادی میں برابر شریک رہے ہیں، جن کو آج فراموش کیا جا رہا ہے، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

جب پڑا وقت گلستاں پہ تو خوں ہم نے دیا   جب بہار آئی تو کہتے ہیں ترا کام نہیں

……✦……

جامعہ کی سرگرمیاں

ادارہ

اعلان امتحانِ شش ماہی

دفترِ تعلیمات کی جانب سے اعلان کیا گیا ہے کہ:

❁ امتحانِ شش ماہی تحریری وتقریری ۲؍ستمبر ۲۰۲۵ء منگل سے ۱۱؍ستمبر ۲۰۲۵ء جمعرات تک منعقد ہوگا۔ان شاء اللہ تعالیٰ

❁ تعطیلِ شش ماہی ۱۳؍ستمبر ۲۰۲۵ء سینچر سے ۲۴؍ستمبر ۲۰۲۵ء بدھ تک ہوگی۔

❁ تمام درجوں کے امتحان کا آخری پرچہ ۲۵؍ستمبر ۲۰۲۵ء بروز جمعرات منعقد ہوگا۔

❁ ۲۷؍ستمبر ۲۰۲۵ء سینچر سے حسب سابق تعلیم شروع ہوجائے گی۔

طلبۂ عزیز کو ہدایات جاری کی گئیں ہیں غیر تعلیمی مصروفیات ترک کر کے امتحان کی تیاریوں میں مشغول ہوجائیں، تاکہ امتحان میں اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کرسکیں۔

اور یہ **ملاحظۂ خصوصی** بھی (۱) اس اعلان کے بعد کسی بھی قسم کی رخصت کی درخواست دفترِ تعلیمات میں بالکل پیش نہ کریں۔ (۲) شش ماہی کی تعطیل کے موقع پر آمد و رفت کا ٹکٹ مذکورہ تاریخوں کے اعتبار سے ہی بنائیں۔ (۳) تمام درجوں کے آخری پرچۂ امتحان میں تمام طلبہ کی وقتِ مقررہ پر حاضری ضروری اور لازم ہے۔ غیر حاضری کی صورت میں دائمی اخراج کر دیا جائے گا اور کوئی بھی عذر بالکل بھی قابل قبول نہیں ہوگا۔ (۴) جامعہ ہٰذا داخل شدہ تمام طلبہ کو تعطیل عید الاضحیٰ، تعطیل شش ماہی اور تعطیل سالانہ کے موقع پر اپنے وطن جانے کی اجازت دیتا ہے اور آئندہ دو تعطیل کے درمیان گھر جانے کی رخصت کو منظور بھی نہیں کرتا ہے، اس لیے تعطیل شش ماہی کے موقع پر جامعہ کا مطبخ بند رہے گا۔

ہدایات برائے طلبہ بابت امتحان

(۱) طلبہ امتحان گاہ میں وقت مقررہ یعنی صبح ۷:۴۵ بجے سے ۷:۵۵ بجے تک حاضر ہوجائیں، کیوں کہ

صبح ۷:۵۵ بجے سے امتحان کی کاپی تقسیم ہوگی اور اُس کے بعد پرچہ تقسیم کیا جائے گا، امتحان ۱۲:۰۰ بجے ختم ہوگا۔(۲) صبح ۷:۵۵ بجے مدرسہ کا گیٹ بند ہوجائے گا اور اس کے بعد طلبہ کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور اُس دن کے پرچہ میں اُن کے صفر نمبر شمار کیے جائیں گے۔ایسے طلبہ اگر آئندہ بھی تاخیر سے آتے ہیں تو اُن کا نام کاٹ دیا جائے گا۔(۳) امتحان کی غیر حاضری سنگین ترین جرم ہے۔ایسے طلبہ سخت سزا کے مستحق ہوں گے اور اُن کا نام کاٹ دیا جائے گا اور انھیں آئندہ امتحان میں شرکت کی اجازت نہیں ہوگی۔کوئی بھی عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔(۴) ایامِ مقررہ امتحان میں سوائے مرضِ شدید کے رخصت ہرگز نہیں ملے گی، اُس کے لیے بھی ناظمِ امتحان کو فی الفور تحریری طور سے مطلع کرنا ضروری ہوگا۔(۵) تقریری امتحان کے لیے ممتحنین کرام کی آمد میں تقدیم و تاخیر ہوسکتی ہے، اس لیے تمام طلبہ ہمہ وقت متوجہ رہیں اور نکلنے والے اعلان پڑھ لیا کریں۔(۶) طلبہ ضروریاتِ بشریہ سے فارغ ہوکر امتحان گاہ میں آئیں۔ضرورت کے پیشِ نظر پیشاب وغیرہ کے لیے اٹھنے کی اجازت ہوگی، مگر امتحان گاہ سے ٹکٹ لیے بغیر ہرگز نہ جائیں۔(۷) پیڈ، قلم، اسکیل اور سفیدہ وغیرہ اپنے ساتھ ہی لائیں، کسی دوسرے طالب علم سے مانگنے کی اجازت نہیں ہوگی۔(۸) نگراں حضرات کی اجازت کے بغیر اپنی مقررہ نشست تبدیل کرنا، امتحان گاہ میں طلبہ کی باہمی بات چیت، نقل اور کوئی حل کردہ کاغذ یا کاپی اپنے ساتھ لانا؛ غیر مہذب اور ناشائستہ الفاظ تحریر کرنا، نیز ایسی کوئی علامت بنانا یا جملہ لکھنا جس سے تشخص ہوسکے، ایسی صورت میں پرچہ سوخت کردیا جائے گا اور اس دن صفر نمبر شمار کیے جائیں گے۔(۹) اگر کوئی طالب علم استنجا کے بہانے باہر جاکر کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے یا امتحان گاہ میں کاغذ سے نقل کرتے ہوئے پایا گیا تو اُس دن کے پرچہ کے ساتھ آیندہ تین پرچوں میں بھی صفر نمبر شمار کیے جائیں گے۔(۱۰) دورانِ امتحان بات چیت یا ادھر ادھر دیکھنے کی اجازت نہیں ہوگی۔زائد کاغذ وغیرہ لینے کے لیے طالب علم کا اپنی جگہ پر کھڑا ہونا کافی ہوگا۔(۱۱) پرچۂ سوالات سے متعلق کسی بھی قسم کے استفسار کا حق صرف ۴۵/ منٹ تک رہے گا۔اس سلسلے میں طلبہ کا اپنی جگہ پر کھڑا ہونا ہی کافی ہوگا تاکہ قریبی نگراں اس کی طرف متوجہ ہوسکیں۔تکمیلِ افتاء کے طلبہ کو تمرین فتاویٰ کے امتحان میں زائد وقت نہیں دیا جائے گا۔

اہم نوٹ: امتحان گاہ میں کسی بھی قسم کا موبائل لانا قطعاً منع ہے، امتحان گاہ کے گیٹ پر طلبہ کی تلاشی لی جائے گی۔اگر کوئی طالب علم موبائل کے ساتھ آتا ہے تو اُس کا موبائل جمع کرلیا جائے گا۔

ششماہی تعطیل کا اعلان

جامعہ نے ششماہی امتحان کے اعلان کے ساتھ ہی تعطیل ششماہی کا بھی اعلان کردیا۔دفتر تعلیمات

سے جاری اعلامیہ کے مطابق تعطیل ششماہی 13 /ستمبر سے 24 /ستمبر تک جاری رہے گی۔ تمام درجوں کے طلبہ کا آخری پرچہ تعطیل کے اختتام پر رکھا گیا ہے تاکہ تمام طلبہ بروقت حاضر ہو سکیں اور جامعہ کی تعلیمی سرگرمیاں حسب سابق بحال ہو جائیں۔

تعمیری سرگرمیاں

جامعہ میں مرکزی شاہراہ کے قریب بائیں جانب ''رواقِ انظر'' سے موسوم دارالاقامہ تک جانے والی راہ گذر ابھی منتظر تکمیل ہے۔ برسات کے موسم میں طلبہ جلسہ کی آمدورفت میں دشواریاں پیش آرہی ہیں۔ اسی طرح جدید تعمیر شدہ بیت الخلاء کے سامنے کا فرش بھی تعمیر ہونا ہے تاکہ بیت الخلاء کا استعمال سہولت کے ساتھ ہو سکے۔

جامعہ میں جم خانے کا افتتاح

طلبہ کی بہترین تعلیم وتربیت کے ساتھ جامعہ نے ان کی صحت کا بھی ہمیشہ خیال رکھا ہے۔ اسی کی تازہ کڑی جامعہ میں جم خانے کا نظام بھی ہے۔ اس کے لئے باقاعدہ نظام الاوقات بھی رکھا گیا ہے اور ٹرینز کی تقرری بھی عمل میں لائی گئی ہے۔ نظام الاوقات کے مطابق بعد نماز فجر ایک گھنٹہ اور بعد نماز عصر ایک گھنٹہ طلبہ ورزش کر سکیں گے۔ دورۂ حدیث شریف اور تکمیلات کے طلبہ کو ہی فی الحال اس میں موقع دیا گیا ہے۔ ٹرینز داخل شدہ طلبہ کی حاضری بھی لیتے ہیں تاکہ صحت کی اہمیت ان کے ذہن میں جاگزیں ہو جائے۔

واردین وصادرین

انکلیشور گجرات سے ایک سہ رکنی وفد مولانا اشرف علی کیات کی سربراہی میں جامعہ میں تشریف فرما ہوا، اپنے سہ روزہ قیام کے دوران جامعہ کے مختلف درجات کا تعلیمی جائزہ، دفاتر وشعبہ جات کی کارکردگی کا معائنہ، تعمیراتی سرگرمیوں کا مشاہدہ فرمایا اور اپنے قیمتی تاثرات قلم بند فرمائے، فالحمد للہ علیٰ ذالك۔

……✦……

نقد ونظر

مبصر: مولانا سید فضیل احمد ناصری

نام کتاب: معارف الاصول	مصنف: مولانا اخلاق الرحمن قاسمی	صفحات: 532
قیمت: درج نہیں	ناشر: مکتبہ البلاغ، دیوبند	

اسلامی علوم وفنون میں ایک بڑا علم اصول فقہ کے نام سے متعارف ہے۔قرآن وحدیث اور اجماع و قیاس سے شرعی احکام معلوم کرنا اور امت کی صحیح رہنمائی کرنا اسی فن کے ذریعے سے ہوتا ہے۔معلوم ہے کہ اسلام آفاقی اور جاودانی مذہب ہے۔قیامت تک آنے والے تمام احوال وکوائف کے دوران ہمارے لیے اس میں مکمل رہنمائی موجود ہے۔دین کی رہبری یوں تو دین کا ہر عالم کرتا ہے اور کرسکتا ہے،مگر اس راہ میں بے شمار موڑ ایسے بھی آتے ہیں، جہاں عام علما وامانده ودرمانده رہ جاتے ہیں۔یہی وہ مقام ہوتا ہے جب فقہا اپنا امعان نظر اور کمال دکھاتے ہیں اور استخراج واستنباط کرکے امت کی دینی قیادت کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔فقیہ وہی ہوتا ہے جو اصول فقہ میں مہارت ورسوخ رکھے۔یہ بڑا نازک اور ذمہ داری کا فن ہے۔یہ تلوار کی دھار پر چلنے اور رگ گل سے بلبل کے پر باندھنے جیسا ہے۔اس کے لیے اللہ تعالی نے ہر دور میں الگ رجال تیار کیے۔انہوں نے کتابیں لکھ کر حوادث ونوازل کا حل پیش کیا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری۔

میرے سامنے اس وقت مولانا اخلاق الرحمن قاسمی زید مجدہم استاد حدیث وفقہ جامعہ امین القرآن پان پور، سابر کانٹھا شمالی گجرات کی اہم ترین تصنیف معارف الاصول رکھی ہے۔اس میں انہوں نے اصول فقہ کو بڑی شرح وبسط کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت اور قیاس کے علاوہ استحسان، مصالح مرسلہ، استدلال، اجتہاد، عرف وعادت، ضرورت وحاجت، اقوال صحابہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی شریعت اور قواعد وکلیات کے سلسلے میں بڑی وضاحت سے لکھا ہے۔انہوں نے نہ صرف یہ کہ اصول فقہ کو منقح کیا ہے، بلکہ حوالوں اور دلائل سے ہر قاعدہ اور ضابطہ کو بھی واضح طریقے پر سمجھایا بھی ہے۔مقدمۂ کتاب بھی کسی خزانۂ عامرہ سے کم نہیں۔تحقیق مناط، تنقیح مناط، اور تخریج مناط کے ساتھ

فقہ پر بھی بھرپور کلام کیا گیا ہے۔ پھر اصول فقہ کی تاریخ، اس فن کے ماہرین، اس علم کے مصنفین پر بھی دل کھول کر دادِ تحقیق دی گئی ہے۔ مکلف کے لیے کیا چیزیں ضروری ہیں؟ اصولی قواعد اور قواعد فقہ کے درمیان بنیادی فرق کیا ہے؟ یہ سب آپ کو اسی بیش قیمت مقدمے میں مل جائے گا۔

کتاب پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کو مشقت کے کن صحراؤں سے گزرنا پڑا اور کن خارزار وادیوں کو انہوں نے عبور کیا۔ اس کے لیے انہوں نے کیا کیا پاپڑ بیلے اور کیا کیا کوہ کنی کی!! میرے علم کے مطابق اردو میں اصول فقہ پر ایسی جامع اور بسیط کتاب سامنے نہیں آئی۔ انتہائی چابک دستی کے ساتھ موضوع کا مکمل احاطہ کیا گیا ہے۔ عربی زبان میں اس موضوع پر یقیناً کافی مواد موجود ہیں۔ حسامی، نامی، نورالانوار، منہاج الاصول، الاعتصام، الاشباہ والنظائر، رسم المفتی، قواعد الاحکام اور نہ جانے کیا کیا، مگر اردو میں اتنے مواد کہیں بھی میسّر نہیں۔

تقریباً 135 کتابوں کے حوالوں سے یہ کتاب مزین ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ موضوع کے انتہائی علمی، نازک اور حساس ہونے کے باوجود زبان بڑی سادہ، دلکش اور سہل ترین رکھی گئی ہے۔

مصنف موصوف چوں کہ طویل تدریسی تجربہ رکھتے ہیں۔ فقہ و اصول فقہ سے عرصۂ دراز سے وابستہ ہیں، پھر فقہی سیمیناروں میں جاتے رہے ہیں اور گراں قدر مقالات کے ذریعے اپنی تحقیقات پیش کرتے رہے ہیں، اس لیے ان کی اس تصنیف میں پختگی اور فقہی بصیرت اس طرح رچی بسی ہے جس طرح شاخ گل پر بادِ سحرگاہی کا نم۔

اصول فقہ کے طالب علموں کے لیے یہ بے بہا دولت ہے۔ نورالانوار اور حسامی کے بہت سے مسائل اس سے حل ہو سکتے ہیں۔ یہ کتاب ہر اس شخص کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے، جو اصول فقہ سے دلچسپی رکھتا ہے اور اس فن میں خود کو پختہ و صاحب فن بنانا چاہتا ہے۔

میں مصنف و ناشر دونوں کو مبارک باد دیتا ہوں۔ اللہ تعالی اس کتاب کو بے حد نافع بنائے اور مصنف کے لیے دارین میں سعادت کا ذریعہ بنائے۔

……✦……

Monthly MUHADDIS-E-ASR Deoband
RNI UPURD/2000/10663(83220)
Contact Mob:+91-9557051315 jimask98@gmail.com
Printed, Published & Edited By Syed Ahmad Khizar Shah
on Behalf of JIMAS, Behind Eidgah, Deoband. Saharanpur (U.P.)
Printed At Mukhtar Press Samreen Printers, Deoband

August 2025



جامعہ کی مرکزی عمارت ''انور ہال'' اور مسجد انور شاہ پر مشتمل شاندار منظر



جامعہ میں زیر تعمیر جدید دار الاقامہ کا مجوزہ نقشہ



دار الاقامہ کا بیرونی منظر



مسجد انور شاہ

Jamia Imam Mohammad Anwar Shah
A/C No.: 50100420638245
IFSC : HDFC0001974
BRANCH: HDFC DEOBAND